خانقاہِ چشتیہ صابریہ کا اصلاحی و دعوتی ترجمان

سہ ماہی

صدائے قطبِ دکن حیدرآباد

جولائی، اگست، ستمبر سنہ ۲۰۲۳ء

سرپرست

فریدِ وقت جانشینِ قطبِ دکن

حضرت مولانا شاہ محمد نور الحق قریشی قاسمی دامت برکاتہم

مدیر

محمد فضیل قریشی

قطبِ دکن اکیڈمی حیدرآباد

خانقاہِ چشتیہ صابریہ یوسف گوڑ، حیدرآباد

فہرست مضامین

مضامین	اسمائے محررین	صفحہ نمبر
اداریہ: ایمانیات (قسط نمبر:۱)	محمد فضیل قریشی	۳
درسِ قرآن	مولانا محمد زبیر قریشی مفتاحی	۱۰
درسِ حدیث	مولانا محمد ضیاء الحق قریشی مفتاحی	۱۳
سیرت (قسط نمبر:۵)	حافظ محمد سفیان قریشی	۱۶
حیات قطبِ دکن (قسط نمبر:۵)	مولانا سعید الحق صاحب قریشی	۲۲
مجاہدہ میں اعتدال اختیار کریں	مولانا شاہ محمد عبد الغفور قریشی نور اللہ مرقدہٗ	۲۷
ماہِ محرم کی ایک عظیم یادگار	مولانا یوسف صاحب مفتاحی قاسمی	۳۱
عورت کی حیثیت عرفی کی بحالی اور.....	مفکر اسلام مولانا علی میاں ندوی قدس سرہٗ	۳۴
محرم الحرام	مولانا یوسف صاحب قاسمی	۴۷
مختصر فضائل ومسائلِ حج	مولانا محمد اُسید قریشی	۵۲
احوال وکوائفِ جامعہ	مولانا فاروق صاحب مفتاحی	۶۳

❑❖❑

اداریہ

ایمانیات

از: رئیس المحدثین مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ
تسہیل: محمد فضیل قریشی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَانَا لِلْإِسْلَامِ وَاَسْبَغَ عَلَیْنَا نِعَمَہ ظَاھِرَۃً وَّبَاطِنَۃً وَأَتَمَّ عَلَیْنَا الْإِنْعَامَ وَجَعَلَنَا مِنْ أُمَّۃِ حَبِیْبِہ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ سَیِّدِ الْأَنَامِ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہ وَاَصْحَابِہِ الصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ وَعَلَیْنَا مَعَھُمْ بِتَطَفُّلِھِمْ بِمَحْضِ لُطْفِكَ وَعِنَایَتِكَ یَاأَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ یَاذَاالْجَلَالِ وَالْإِکْرَامِ.

اَللّٰھُمَّ لَوْلَا أَنْتَ مَا اھْتَدَیْنَا ❖ وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا
فَأَنْزِلَنْ سَکِیْنَۃً عَلَیْنَا ❖ وَنَحْنُ عَنْ فَضْلِكَ مَااسْتَغْنَیْنَا
إِنَّ الْأُوْلٰی قَدْ بَغَوْا عَلَیْنَا ❖ وَبِالصِّیَاحِ عَوَّلُوْا عَلَیْنَا
وَإِذَا أَرَادُوْا فِتْنَۃً أَبَیْنَا

أَمَّا بَعْدُ!

جاننا چاہیے کہ حق جل شانہٗ بغیر کسی غرض کے انعامات کی بارش برسانے والے ہیں، اگر وجود ہے تو اُسی کا بخشا ہوا ہے اور اگر زندگی اور بقا ہے تو اُسی کی عطاء کی ہوئی ہے اور اگر اچھی عادتیں ہیں تو اُسی کی رحمتِ شاملہ سے حاصل ہیں اور اگر عقل ودانش اور علم وفہم اور سننے، دیکھنے اور بولنے کی طاقت ہے تو اسی کے ذاتی علم وطاقت، سننے اور دیکھنے کی قوت کا ایک ادنیٰ سا عکس اور چھوٹی سی جھلک ہے۔

وہ ساری کائنات جس کو اللہ نے پیدا کیا اُس کے پاس تو وجود بھی اپنا نہیں، صفات اور کمالات کا تو ذکر ہی کیا سب کچھ اسی کا عطیہ ہے۔ انسان کے پاس سوائے خالی ہاتھ ہونے کے کچھ بھی نہیں اور حق تو یہ ہے کہ بندہ اپنے خالی دامن ہونے کا بھی مالک نہیں، وجود کی طرح اُس کا موجود نہ ہونا بھی حق تعالیٰ کے ارادہ اور چاہت کے تابع ہے، غرض یہ کہ بندہ میں جو بھی صفت اور کمال ہے وہ سب کچھ خداوندِ ذوالجلال کی سخاوت و بخشش سے ہی حاصل ہے، اس کے انعامات اور احسانات کی کوئی حد اور انتہاء نہیں اور بلاشبہ حق تعالیٰ شانہٗ ہی بغیر رکاوٹ کے عطا کرنے والے ہیں۔ ؎

گر برتن من زبان شود ہر موئے ❖ یک شکر وے از ہزار نتوانم کرد

''اگر میرے جسم کے ہر بال کو زبان بھی مل جائے، تب بھی ہزار نعمتوں میں سے ایک کا شکر ادا نہیں کرسکوں گا''۔

اور ہماری سوچ وفکر کسی دلیل کا مطالبہ کیے بغیر نوازنے والی اور احسان کرنے والی ذات کے شکر کے واجب ہونے کا حکم دیتی ہے اور انعام کرنے والے کی تعظیم وتکریم کو فرض اور لازم سمجھتی ہے، عقل بمنزلہ بادشاہ کے ہے اور تمام حواس اور اعضاء اور جوارح بمنزلہ لشکر کے ہیں۔

عقل یہ کہتی ہے کہ جب ہر عطا کرنے والے اور احسان کرنے والے کا شکر اور اس کی تعظیم وتکریم لازم ہے تو اس حقیقی طور پر بخشنے کا شکر سب سے بڑھ کر لازم اور فرض ہوگا کہ جس نے عقل اور دانش جیسی بے مثال نعمت عطا فرمائی جس سے دین اور دنیا کی مشکلات حل ہوتی ہیں، عقل سب کچھ سمجھتی ہے؛ مگر عقل اپنی حقیقت سمجھنے سے قاصر ہے؛ لیکن عقل اتنا ضرور جانتی ہے کہ ایک ذات پاک ایسی ضرور ہے کہ جس کے ہاتھ میں میرے وجود اور میری سمجھ کی باگ ڈور ہے، جس وقت اور جتنی مقدار وہ چاہتا ہے اُتنی ہی سمجھ مجھ کو ہوجاتی ہے، پھر جب چاہتا ہے تو بندہ کو ایسا غافل بنادیتا ہے کہ پاس کی چیز بھی دکھائی نہیں دیتی سمجھنا تو بہت دُور کی بات ہے، پس یہی ذات جس کے ہاتھ میں میرے وجود اور فہم کی باگ ڈور ہے وہی میرا خدا اور وہی مجھ پر حقیقی انعام کرنے والا ہے۔ع

وآں کہ در اندیشہ ناید آں خداست

''وہ ذات جس کو کسی کا خوف نہ ہو وہی خدا ہے''۔

عقل بے چین اور بے تاب تھی کہ کس طرح اپنے اُوپر حقیقی انعام کرنے والے اور بغیر کسی ڈر کے عطاء کرنے والے کا شکر ادا کروں۔ اس پروردگار نے یہ احسان فرمایا کہ عقل کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے حضراتِ انبیاءِ کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو شریعت دے کر بھیجا کہ جو عقل کو حقیقی پروردگار کے شکر، اُس کی دلی تعظیم، بدنی، فکری اور عملی بڑائی سے آگاہ و باخبر کریں؛ تاکہ جو شخص خدا تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق اس کا شکر اور تعظیم بجالائے اُس کو رضا اور خوشنودی کا پروانہ ملے گا؛ ورنہ نہیں۔

بادشاہ اور حکومت کی طرف سے رضامندی اور خوشنودی کا پروانہ جب ملتا ہے کہ جب حکومت کے مقرر کردہ قوانین کے ماتحت شکرگزاری اور اطاعت شعاری عمل میں آئے۔ قوانینِ حکومت کو نظر انداز کر کے اپنی رائے سے کوئی کام کرنا اور اُس کو حکومت کی اطاعت سمجھنا غلطی اور نادانی ہے۔ ع

کفر است دریں مذہب خود بینی و خودرائی

''اس راستے میں اپنی خواہش پر چلنا نافرمانی ہے''۔

اپنی خواہش کو جائز ٹھہرانے کی کوشش اور اُس کے لیے راستہ نکالنا غلطی کو جرم بنا دیتا ہے۔ اگر کوئی نہ جاننے والا حکومت کی شکرگزاری اور اطاعت شعاری کا دعویٰ کرنے والا ہو، پھر اپنی ذاتی بنائی ہوئی خلافِ قانون باتوں اور کاموں کی عجیب وغریب تاویلیں کرتا ہو تو حکومت کا وکیل یہ کہے گا کہ یہ شخص حکومت کے قوانین اور آئین سے آزاد ہو کر اپنی رائے پر چلنا چاہتا ہے اور اپنی چرب زبانی سے قانونِ حکومت کو اپنے بُرے خیالات اور بے کار خواہشات پر ڈھالنا چاہتا ہے اور حکومت کا قانون ان مَن چاہی باتوں سے بلند اور برتر ہے۔

اسی طرح علماءِ اسلام؛ شریعتِ الٰہیہ کے وکیل ہیں، قانونِ خداوندی کا صحیح صحیح مطلب بتا دیتے ہیں اور یہ واضح کر دیتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ جو شخص کتاب

وسنت کو اپنی بنائی ہوئی بے تکی باتوں اور بے بنیاد دعووں سے اپنی خواہش اور خیال کے مطابق بنانے کی کوشش کرتا ہے تو ایسی بے سَر و پا باتوں کو جو قانونِ خداوندی کے خلاف ہوں، شریعت کی زبان میں اُن کو الحاد اور زندقہ کہتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کی تعظیم وہی معتبر ہے جو شریعت کے مطابق ہو اور جو تعظیم اور عبادت شریعت کے برخلاف ادا کی جائے وہ قابلِ اعتماد اور لائقِ اعتبار نہیں۔

قانونِ حکومت کا مفہوم اور مطلب وہی معتبر ہوتا ہے کہ جو وقتاً فوقتاً وزراءِ حکومت اور ارکانِ دولت اور حکامِ عدالت سمجھتے اور اس کے مطابق فیصلے کرتے آئے ہوں، اسی طرح شریعت کے اُصول وفروع کا وہی مفہوم معتبر ہوگا کہ جو عہدِ صحابہؓ سے لے کر اب تک امت کے علماء اور صلحاء سمجھتے آئے ہوں اور اسلامی عدالتوں سے اس کے مطابق فیصلے ہوتے رہے ہوں، اس کے خلاف کسی نئے معنیٰ کا اعتبار نہ ہوگا اور اگر امت کے صحابہ وتابعین اور تمام علماءِ ربانیّین کا سمجھا ہوا مطلب غلط ہوسکتا ہے تو ان آزاد فکروں اور روشن خیالوں کا سمجھا ہوا مطلب کیوں غلط نہیں ہوسکتا، جو عربی زبان بھی اچھی طرح نہیں جانتے۔ مسلمانو! اسلام وہی ایک اسلام ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ پر اُترا ﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ﴾ اور صحیح حقیقت اس کی وہ ہے کہ جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سمجھی اور اس کے سوا سب غلط ہے اور بے بنیاد ہے وہ شخص جس کو ایک اسلام کے دو اسلام اور ایک قرآن کے دو قرآن نظر آتے ہیں۔

چنانچہ عقل کا حکم یہ ہے کہ دھیرے دھیرے ہر چیز کی پرورش کرنے والے خدا تعالیٰ کی تعظیم قانونِ شریعت کے مطابق بجالاؤ اور شریعت کے دو جزو ہیں، ایک اعتقادی اور ایک عملی۔ اعتقاد دین کی بنیاد ہے اور عمل اس کی شاخ ہے، بغیر صحیح فکر کے عذابِ آخرت سے نجات کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا اور جس شخص میں اعتقاد موجود ہو؛ مگر ظاہر نہ ہو اُس کے لیے نجات کی اُمید ہے، اس کا معاملہ حق تعالیٰ کی چاہت کے حوالے ہے خواہ معاف کرے یا گناہوں کے موافق عذاب دے۔ دوزخ کا دائمی عذاب اعتقاد اور ضروریاتِ دین کا انکار کرنے والے کے لیے مخصوص ہے اور عمل نہ کرنے والا اگرچہ عذاب میں داخل کیا جائے گا؛ لیکن اعتقاد صحیح کے موجود

ہونے کی وجہ سے دوزخ کا دائمی عذاب اس کے حق میں ظاہر نہیں ہوگا۔

إِنَّ الْعَقَائِدَ كُلَّهَا ❖ أُسٌّ لِإِسْلَامِ الْفَتٰى
إِنْ ضَاعَ أَمْرٌ وَاحِدٌ ❖ مِنْ بَيْنِهِنَّ فَقَدْ غَوٰى

عقائدِ اسلام کی بنیاد میں ایک عقیدہ بھی خراب اور فاسد ہو گیا تو اسلام کی تمام عمارت خراب ہوگئی۔

خشت اوّل چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

''پہلی اینٹ جب مزدور ٹیڑھی رکھتا ہے تو ثُریا ستارے تک بھی دیوار (اسی طرح پڑھی) پہونچتی ہے''۔

فکری سلامت روی اور عقائد چونکہ دین کی بنیاد اور ضروریاتِ اسلام (وہ چیزیں جس کے بغیر اسلام کا تصور ہی نہیں) میں سے ہیں؛ اِس لیے مختصر طور پر ہم رسول اللہ ﷺ نے جس طبقہ کی نشاندہی فرمائی ہے کہ وہ جہنم سے نجات پائے گا یعنی اہلِ سنت والجماعت کے عقائد کو بیان کرتے ہیں اور عملیات چونکہ فروع ہیں ان کی تفصیل بھی طویل اور لمبی ہے؛ اِس لیے ان کی تفصیل کو کتبِ فقہ کے حوالہ کرتے ہیں اور فقط اعتقادیات کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں۔

اس تحریر کے لکھتے وقت امامِ ربانی مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہٗ کے وہ تین مکتوب جو عقائدِ اسلامیہ کے تحقیق میں ان کے علم کی باریکیاں لکھنے والے قلم سے صادر ہوئے ہیں، خاص طور پر اس ناچیز کے پیشِ نظر رہے ہیں اور اس فقیر وحقیر کی یہ تحریر سراپا تقصیر اگرچہ امام ربانی کے مکتوب سے کئی گنا زیادہ ہے؛ لیکن اس تحریر کی ساری بنیاد امام ربانی مجدد الف ثانی کے ارشادات ہیں اور باقی عمارت کی تکمیل دیگر حضراتِ متکلمین کے پیچیدگیوں کو پہچاننے والے کلام سے کی ہے۔ رحمة الله عليهم أجمعين وعلينا معهم يا ارحم الراحمين

حق جل شانہٗ ان بزرگوں کی پاکیزہ روحوں پر اپنی رحمت اور عنایتِ بے نہایت کی بارشیں برسائے اور اسلام ومسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر دے کہ انھوں نے دینِ

اسلام کو ہم تک ٹھیک ٹھیک پہنچایا اور صحابہ وتابعین نے کتاب وسنّت کا جو مطلب سمجھا تھا اُس سے ہم کو آگاہ اور باخبر کیا۔ آمین ثم آمین

اب میں سینکڑوں وہزاروں تواضع کی صورتوں کو پیش کرتے ہوئے بارگاہِ خداوندی میں دعاء مانگتا ہوں کہ اے اللہ! تُو اپنی رحمت اور عنایت سے اس ناچیز کو، اس کے والدین، اولاد، اہل وعیال، اُس کے بھائی بہنوں، اپنوں وقریبی رشتہ داروں اور احباب کو نبیٔ اکرم ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرامؓ کے طریقہ پر استقامت نصیب فرما اور اسی پر ہمارا خاتمہ فرما اور اسی پر قبر سے اُٹھا اور اسی پر حشر فرما، آمین۔ اور دنیا وآخرت کی ذلّت ورسوائی اور ندامت سے محفوظ فرما، آمین۔

عقیدۂ اوّل

کائنات کے بنانے والے کا ثبوت

ہر شئ کے ختم ہونے کی دلیل

اللہ تعالیٰ اپنی ہمیشہ سے ہمیشہ تک رہنے والی ذات اور صفات کے ساتھ خود بخود موجود اور موصوف ہے، اس کے سوا تمام چیزیں اسی کے حکم سے موجود ہوتی ہیں اور اسی کے پیدا کرنے سے نہ ہونے سے ہونے کی شکل اختیار کرتی ہیں۔ خدا تعالیٰ کو خدا اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ خود بخود ہے اس کی ہستی خود اسی سے ہے اور اس کی ذات وصفات کے سوا تمام عالم اور اس کی تمام اشیاء ختم ہونے والی اُسی کی نئی پیدا کی ہوئی ہیں اور نہ ہونے سے ہونے کی شکل وصورت میں منتقل ہوئی ہیں۔

(۱) اِسی لیے دنیا کی کوئی چیز ایک حال پر قائم نہیں، بدلتے رہنا اور اُلٹ پھیر اس کا خاصّہ ہے اور جو چیز بدلتی ہے وہ ایک وقت ضرور ختم ہوجاتی ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ عالم خود بخود موجود نہیں ہوا؛ بلکہ اس کا وجود اور ہستی کسی اور ذات کا عطیہ ہے، پس وہ ذات بابرکات جو تمام اشیاء کے وجود اور ہستی کی مالک ہے، اسی کو ہم اللہ، خدا اور مالک الملک کہتے ہیں، اصل مالک اور مالکِ حقیقی بھی وہی ہے کہ جس کے قبضۂ قدرت میں تمام

کائنات کا وجود ہو خوب سمجھ لو کہ حقیقی مالک وہی ہے جو وجود (ہونے اور نہ ہونے) کا مالک ہے اور جو وجود کا مالک نہیں وہ حقیقی مالک نہیں۔

(۲) نیز عالم کی جس چیز پر بھی نظر ڈالو گے مجبوری، ذلّت، پستی، عاجزی اور لاچارگی کے آثار نظر آئیں گے، معلوم ہوا کہ یہ عالم اور عالم کی کوئی چیز خود بخود نہیں، اگر کوئی چیز خود بخود ہوتی تو خدا ہوتی اور کسی کی محتاج اور غلام نہ ہوتی۔

سراپا عاجزی ہونے نے بندہ کردیا ہم کو
وگرنہ ہم خدا ہوتے جو دل بے آرزو ہوتا

(۳) علامہ احمد بن مسکویہ اپنی کتاب ''الفوزالاصغر'' میں فرماتے ہیں: آسمان سے لے کر زمین تک کوئی شئے تم کو ایسی نظر نہ آئے گی جو حرکت (تبدیلی) سے خالی ہو اور حرکت کی چھ قسمیں ہیں:

(۱) حرکتِ کون (کسی چیز کے بننے کی حرکت)۔
(۲) حرکتِ فساد (کسی چیز کے بگڑنے کی حرکت)۔
(۳) حرکتِ نمو (کسی چیز کے بڑھنے کی حرکت)۔
(۴) حرکتِ نقصان (کسی چیز کے گھٹنے کی حرکت)۔
(۵) حرکتِ استحالہ (کسی چیز کے سیدھا ہونے کے وقت کی تبدیلی)۔
(۶) حرکتِ نقل (کسی چیز کے ایک جگہ سے دوسری جگہ ہٹنے کی حرکت)۔

نیز یہ بات بھی دیکھنے سے ثابت ہے کہ کوئی حرکت ایک حال اور انداز پر نہیں؛ لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کی حرکت (ایک حالت سے دوسری حالت میں بدلنا) ذاتی نہیں یعنی اس کی ذات سے نہیں؛ بلکہ کسی حرکت دینے والے کی وجہ سے ہے کہ جو حرکت کرنے والی ذات کے علاوہ اور الگ ہے، پس وہی ہے حقیقی حرکت دینے یعنی تبدیلی پیدا کرنے والی ذات جس کے ہاتھ میں یہ تمام عالم کی حرکتیں (تبدیلیاں) ہیں، وہی خدا ہے جو ان تبدیلیوں کے ذریعہ اپنی قدرت کا تماشہ دکھلا رہا ہے جس کو ہم اللہ کہتے ہیں۔

❑❖❑

سلسلہ وار (ماخوذ از: ہدایت القرآن)

درسِ قرآن

از قلم:
مولانا محمد زبیر قریشی مفتاحی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

﴿اَرَءَیۡتَ الَّذِیۡ یُکَذِّبُ بِالدِّیۡنِ ۟ فَذٰلِکَ الَّذِیۡ یَدُعُّ الۡیَتِیۡمَ ۙ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الۡمِسۡکِیۡنِ ۟ فَوَیۡلٌ لِّلۡمُصَلِّیۡنَ ۙ الَّذِیۡنَ ہُمۡ عَنۡ صَلَاتِہِمۡ سَاہُوۡنَ ۙ الَّذِیۡنَ ہُمۡ یُرَآءُوۡنَ ۙ وَیَمۡنَعُوۡنَ الۡمَاعُوۡنَ ۧ﴾

(سورۂ ماعون، پارہ: ۳۰)

ترجمہ: ''کیا آپ نے اُس شخص کو دیکھا جو جزاء کے دن کو جھٹلاتا ہے؟'' یعنی یہ کیسی تعجب کی بات ہے؟ ''پس یہی ہے وہ جو یتیم کو دھکا دیتا ہے اور غریب کے کھانے کی ترغیب نہیں دیتا، پس بڑی کم بختی ہے اُن نمازیوں کے لیے'' یعنی وہ بے نمازی نہیں، نمازی ہیں ''جو اپنی نماز بھولنے والے ہیں'' یعنی نماز قضاء کر دیتے ہیں، پھر وقت بے وقت پڑھتے ہیں یا جانے دیتے ہیں ''جو دکھلاوا کرتے ہیں'' جیسے مدرسوں میں بچے حاضری کے لیے نماز میں آتے ہیں، یہ نماز پڑھنا نماز بھولنے کی طرح ہے ''اور عام استعمال کی چیزیں بھی نہیں دیتے''، پس زکات کہاں دیتے ہوں گے۔

تفسیر: اِس سورت میں گھاٹے میں رہنے والوں کی چوتھی مثال ہے، یہ عمل میں کوتاہ مسلمان ہیں جن کو اسلام کے بنیادی ارکان نماز و زکاۃ کی بھی فکر نہیں؛ اِس لیے کہ ان

کو جزاء کے دن پر جیسا یقین ہونا چاہیے نہیں ہے۔ آج مسلمانوں کی اکثریت کا یہی حال ہے، کسی گناہ سے پاک نہیں اور کسی فرض عمل پر استوار نہیں، پھر بھی اعلیٰ درجہ کی کامیابی کے اُمیدوار ہیں، اللہ ان کو سمجھ عطا فرمائے (آمین) اور بے نمازیوں کے حق میں لہجہ ذرا سخت ہے ﴿وَیْلٌ﴾ فرمایا ہے۔

جن مسلمانوں کو قیامت کا پورا یقین نہیں ہے اُن کے چار کام

ایمان کی طرح تکذیب کی بھی قسمیں ہیں، ایک دل سے تکذیب کرنا ہے، ایسا شخص مؤمن نہیں، دوسری عمل سے تکذیب کرنا ہے، وہ عملی نفاق ہے، وہ زبان سے تو قیامت کا اعتراف کرتا ہے؛ مگر اس کا عمل اس کے خلاف ہے، ایسے لوگوں سے چار کام صادر ہوتے ہیں:

(۱) اگر کبھی اس کے دروازہ پر کوئی یتیم بچہ آ کھڑا ہوتا ہے تو دھکے دے کر اُس کو باہر نکال دیتا ہے۔

(۲) غریب محتاج کو خود تو کیا کھلاتا، کسی دوسرے کو بھی نہیں کہتا کہ وہی کھلا دے۔

(۳) نماز کو بھول جاتا ہے؛ حالانکہ وہ دین کا زبردست ستون ہے، جو اس کو گرا دیتا ہے وہ گویا دین کو ختم کر دیتا ہے اور اگر وہ نماز پڑھتے ہیں تو لوگوں کو دکھانے کے لیے پڑھتے ہیں؛ حالانکہ ایسی نماز نمازی کے منھ پر ماردی جائے گی۔

(۴) وہ زکاۃ تو کیا دیتے برتنے کی چیزیں بھی پڑوسی کو نہیں دیتے، روزمرہ کام آنے والی چھوٹی چھوٹی چیزیں مثلاً ڈول، پانی، نمک اور آگ وغیرہ بھی کسی کو نہیں دیتے، یہ کام کرنے والے قیامت کے دن گھاٹے میں رہیں گے اور یہ چوتھی اور آخری مثال ہے، آگے سورت میں کامیاب ہونے والوں کا تذکرہ ہے۔

فائدہ: ﴿وَیْلٌ﴾ (بڑی کمبختی) یہ وعید اُس مسلمان کے لیے ہے جو نماز کو بھول جاتا ہے، قضا کر دیتا ہے، وقت بے وقت پڑھتا ہے اور جو مسلمان نماز پڑھتا ہی نہیں اُس کے

لیے حدیث میں زیادہ سخت وعید آئی ہے، فرمایا: ''مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ'' جوجان بوجھ کر نماز نہیں پڑھتا وہ ایمان اور کفر کے درمیان حداوسط میں پہنچ جاتا ہے۔ اور جن مفسرین نے نماز میں بھولنے کے ساتھ تفسیر کی ہے وہ اُس زمانہ کی بات ہے جب کوئی مسلمان نماز نہیں بھولتا تھا، اب تو آپ کو قدم قدم پر ایسے مسلمان مل جائیں گے جو نماز کو بھول جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں نماز یاد رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

❑❖❑

درسِ حدیث

دولت، تعیش اور حُبِّ دنیا کا فتنہ

ازقلم:
مولانا محمد ضیاء الحق قریشی مفتاحی

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ الْقُرَظِيِّ حَدَّثَنِي مَنْ سَمِعَ عَلِيَّ بْنَ أَبِيْ طَالِبٍ يَقُوْلُ: إِنَّالَجُلُوْسٌ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ فَاطَّلَعَ عَلَيْنَا مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ مَاعَلَيْهِ إِلَّابُرْدَةٌ لَهُ مَرْقُوْعَةٌ بِفَرْوٍ فَلَمَّا رَآهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكٰى لِلَّذِيْ كَانَ فِيْهِ مِنَ النِّعْمَةِ وَالَّذِيْ هُوَ الْيَوْمَ فِيْهِ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَيْفَ بِكُمْ إِذَا غَدَا أَحَدُكُمْ فِيْ حُلَّةٍ وَرَاحَ فِيْ حُلَّةٍ وَوُضِعَتْ بَيْنَ يَدَيْهِ صَحْفَةٌ وَرُفِعَتْ أُخْرٰى وَسَتَرْتُمْ بُيُوْتَكُمْ كَمَا تُسْتَرُ الْكَعْبَةُ فَقَالُوْا يَارَسُوْلَ اللهِ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مِنَّاالْيَوْمَ نَتَفَرَّغُ لِلْعِبَادَةِ وَنُكْفٰى الْمُؤْنَةَ. قَالَ: لَأَنْتُمُ الْيَوْمَ خَيْرٌ مِنْكُمْ يَوْمَئِذٍ.

ترجمہ: محمد بن کعب قرضی سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ ایک ایسے صاحب نے مجھ سے بیان کیا جنہوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے خود (یہ واقعہ) سنا تھا کہ ہم لوگ (ایک دن) رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ مصعب بن عمیر (رضی اللہ عنہ) اس حالت اور ہیئت میں سامنے آ گئے کہ ان کے جسم پر بس ایک (پھٹی پُرانی) چادر تھی جس میں کھال کے ٹکڑوں کے پیوند لگے ہوئے تھے، جب رسول اللہ ﷺ نے ان کو (اس

حالت اور ہیئت میں) دیکھا تو آپ ﷺ کو رونا آ گیا، ان کا وہ وقت یاد کرکے جب وہ (اسلام لانے سے پہلے مکہ میں) عیش وتنعّم کی زندگی گزارتے تھے اور ان کی (فقروفاقہ کی) موجودہ حالت کا خیال کرکے..... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے (ہم لوگوں سے مخاطب ہوکر) فرمایا کہ: (بتلاؤ) اُس وقت تمہاری کیا کیفیت ہوگی اور کیا حال ہوگا، جب (دولت اور سامانِ تعیش کی ایسی فراوانی ہوگی کہ) تم میں کے لوگ صبح کو ایک جوڑا پہن کر نکلیں گے اور شام کو دوسرا جوڑا پہن کر، اور (کھانے کے لیے) اُن کے آگے ایک پیالہ رکھا جائے گا اور دوسرا اُٹھایا جائے گا، اور تم اپنے مکانوں کو اس طرح لباس پہناؤ گے جس طرح کعبۃ اللہ پر غلاف ڈالا جاتا ہے۔ (آپ ﷺ کے اس سوال کے جواب میں حاضرینِ مجلس میں سے کچھ) لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت! ہمارا حال اُس وقت آج کے مقابلہ میں بہت اچھا ہوگا..... ہمیں اللہ کی عبادت کے لیے پوری فراغت اور فرصت حاصل ہوگی، (معاش وغیرہ کے لیے) محنت ومشقت اُٹھانی نہیں پڑے گی..... رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: نہیں! تم آج (فقروفاقہ کے اِس دَور میں، عیش وتنعّم والے) اُس دن کے مقابلہ میں بہت اچھے ہو۔ (جامع ترمذی)

وضاحت: حدیث کے راوی محمد بن کعب قرضی تابعی ہیں جو علمِ قرآن اور صلاح وتقوے کے لحاظ سے اپنے طبقہ میں ممتاز تھے، انہوں نے اس راوی کا نام ذکر نہیں کیا، جنہوں نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالہ سے یہ واقعہ ان کو سنایا تھا؛ لیکن ان کا اِس طرح روایت کرنا اِس بات کی دلیل ہے کہ وہ راوی ان کے نزدیک ثقہ اور قابلِ اعتماد ہے۔

مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابۂ کرامؓ میں ایک خاص شان اور تاریخ تھی، وہ بڑے ناز پَروَردہ ایک رئیس زادے تھے، ان کا گھرانہ مکہ کا بڑا دولت مند گھرانہ تھا، اور

یہ اپنے گھر کے بڑے لاڈلے و چہیتے تھے، اسلام قبول کرنے سے پہلے ان کی زندگی امیرانہ اور عیش و تنعّم کی زندگی تھی، پھر اسلام لانے کے بعد زندگی کا رُخ بالکل بدل گیا، اور وہ حال ہوگیا جو اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ ایک پھٹی پُرانی چادر ہی جسم پر تھی، جس میں جا بجا چمڑے کے ٹکڑوں کے بھی پیوند تھے، ان کو اس حالت اور ہیئت میں دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں کے سامنے ان کی عیش و تنعّم والی امیرانہ زندگی کا نقشہ آ گیا اور آپ کو رونا آ گیا۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرامؓ کو ایک اہم حقیقت سے آگاہ کرنے کے لیے اُن سے فرمایا کہ: ایک وقت آئے گا جب تمہارے پاس یعنی میری امت کے پاس عیش و تنعّم کے سامان کی فراوانی ہوگی، ایک آدمی صبح کو ایک جوڑا پہن کر نکلے گا اور شام کو دوسرا جوڑا، اِسی طرح دسترخوان پر انواع واقسام کے کھانے ہوا کریں گے، بتلاؤ تمہارا کیا خیال ہے وہ وقت تمہارے لیے کیسا ہوگا؟ کچھ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت! وہ وقت اور وہ دن تو بہت ہی اچھا ہوگا، ہمیں فراغت اور فرصت ہی فرصت ہوگی، بس اللہ کی عبادت کیا کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارا یہ خیال صحیح نہیں ہے، آج تم جس حال میں ہو یہ آئندہ آنے والے عیش و تنعّم کے حال سے بہت بہتر ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جس وقت رسول اللہ ﷺ نے یہ حقیقت بیان فرمائی تھی اُس وقت تو ''ایمان بالغیب'' ہی کے طور پر اِس پر یقین کیا جاسکتا تھا؛ لیکن پہلے بنواُمیہ اور بنوعباس کے دَورِ حکومت میں اور بعد کی اکثر دوسری مسلم حکومتوں کے دَور میں بھی اور آج کی ان مسلم حکومتوں میں جن کو اللہ تعالیٰ نے عیش و تنعّم کا سامان انتہائی فراوانی سے دے رکھا ہے، یہ حقیقت آنکھوں سے دیکھ لی گئی ہے اور دیکھی جارہی ہے۔ بلاشبہ یہ اور اِس طرح کی تمام پیشین گوئیاں رسول اللہ ﷺ کے معجزات اور آپ ﷺ کی نبوت کے دلائل میں سے ہیں۔

❑❖❑

قسط نمبر (۵)

سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گوناگوں خصوصیات

از قلم:
حافظ محمد سفیان قریشی

منڈیوں اور میلوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تبلیغ فرمانا:

عرب میں عکاظ، یعینہ اور ذی المجاز کے میلے بہت مشہور تھے، دُور دُور سے لوگ وہاں آیا کرتے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان مقامات پر جاتے اور میلے میں آئے ہوئے لوگوں کو اسلام اور توحید کی دعوت دیا کرتے تھے۔

قریش کی مخالفت:

مغرور قریش کو جو عرب میں اپنے آپ کو سب سے بڑا سمجھتے تھے، جیسے سمندر میں وہیل مچھلی، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وعظ پسند نہ آیا، اس کی چند وجوہات تھیں:

- وہ نبوت کا مفہوم سمجھنے سے قاصر تھے اور بعید سمجھتے تھے کہ اللہ کے حکم سے کوئی انسان انسانوں کے سمجھانے کے لیے آئے۔
- وہ جزاء وسزائے اعمال کے قائل نہ تھے؛ اِس لیے یہ تعلیم کہ موت کے بعد اعمال کی جواب دہی ہوگی ان کے نزدیک بالکل قابلِ تمسخر تھی۔
- وہ خاندان اور شرافتِ بزرگان پر نہایت مغرور تھے اور انہیں اسلامی مساوات اور اسلامی اخوت کا قبول کرنا ایک قسم کی حقارت اور ذلّت محسوس ہوتی تھی۔
- ان میں اکثر قبائل بنو ہاشم سے مخالفت رکھتے تھے اور دشمن قبیلے کے ایک شخص کی تعلیم پر چلنا انہیں عار معلوم ہوتا تھا۔

- وہ زنا، جُوا، رہزنی، قتل، عہد شکنی، آوارگی، ہر ایک قانون ووعدہ کی بندش وقیود سے آزاد رہنے، بے شمار عورتوں کو گھر میں ڈال رکھنے کے عادی تھے اور اسلام کا قانون ان کو اپنی پیاری عادات کا دشمن معلوم ہوتا تھا۔

اِس لیے اُنہوں نے آنحضرت ﷺ کی مخالفت پر کمر باندھی اور اسلام کا نام ونشان مٹا دینے کا فیصلہ کیا۔

اسلام کے خلاف قریش کی تدبیریں:

اوّل تدبیر یہ اختیار کی گئی کہ اسلام لانے والوں کو سخت اذیّت دی جائے؛ تاکہ جو مسلمان ہو چکے ہیں وہ واپس آجائیں اور نئے لوگ اسے احتیار نہ کریں۔ قریش نے اسلام لانے والوں پر جو مظالم کیے، انہیں جو تکالیف اور اذیتیں دیں، ان کا مفصّل بیان دشوار ہے، مختصر طور پر ان کے عذاب دہی کے طریقوں اور چند بزرگواروں کا حال مذکور ہوتا ہے۔

اسلام لانے والوں پر قریش کے جور وستم:

حضرت بلال حبشی اُمیہ بن خلف کے غلام تھے، جب اُمیہ نے سنا کہ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہو گئے ہیں تو مختلف عذاب ان کے لیے ایجاد کیے گئے:

- گردن میں رَسّی ڈال کر لڑکوں کے ہاتھ میں دی جاتی اور وہ مکہ کی پہاڑیوں میں انہیں لیے پھرتے، رَسّی کا نشان گردن میں نمایاں ہو جاتا۔
- وادیٔ مکہ کی گرم ریت پر انہیں لٹا دیا جاتا اور گرم گرم پتھر ان کی چھاتی پر رکھ دیے جاتے۔
- مشکیں باندھ کر لکڑیوں سے پیٹا جاتا۔
- دھوپ میں بٹھایا جاتا۔
- بھوکا رکھا جاتا، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اب سب حالتوں میں اَحد اَحد کے نعرے لگاتے رہتے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خریدا اور اللہ کے لیے آزاد کر دیا۔

حضرت عمار اور اُن کے والد یاسر، ان کی والدہ سمیہ رضی اللہ عنہم مسلمان ہو گئے تھے، ابوجہل نے اُنہیں طرح طرح کی اذیّتیں پہونچائی، ایک دن نبی ﷺ نے اُنہیں عذاب سہتے دیکھا، فرمایا:

''اِصْبِرُوْا یَآلَ یَاسِرٍ فَإِنَّ مَوْعِدَکُمُ الْجَنَّۃُ''

''اے یاسر کے کنبہ والو! صبر کرو، تمہارا مقام جنت ہے''۔

کمبخت ابوجہل نے بی بی سمیہ کی اندامِ نہانی میں نیزہ مارا اور اُنہیں جان سے مار ڈالا۔

ابوفکیہہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ -جن کا نام افلح تھا- کے پاؤں میں رَسّی باندھ کر انہیں پتھریلی زمین پر گھسیٹا جاتا۔

خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر کے بال کھینچے جاتے، گردن مروڑی جاتی، گرم پتھروں سے بارہا آگ کے انگاروں پر لٹایا گیا۔

یعینہ، زنیرہ، نہدیہ اور اُمِّ عبیس بے چاری لونڈیاں تھیں اور ان کے سنگ دل آقا اُن کو ایسی ہی سخت وحشیانہ سزائیں دیا کرتے تھے، قریش کا یہ سلوک غلاموں اور ضعیفوں کے ساتھ ہی نہ تھا، اپنے فرزندوں اور عزیزوں کے ساتھ بھی وہ ایسی ہی سنگ دلی کا برتاؤ کیا کرتے تھے۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے کی خبر ان کے چچا کو ہوئی تو وہ کم بخت حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کھجور کی چٹائی میں لپیٹ کر باندھ دیتا اور نیچے سے دُھواں دیا کرتا۔

مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی ماں نے گھر سے نکال دیا تھا، اسی جرم میں کہ وہ اسلام لے آئے تھے۔

بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو قریش گائے، اُونٹ کے کچے چمڑے میں لپیٹ کر دھوپ میں پھینک دیتے تھے، بعض کو گرم گرم لوہے کی زرہ پہنا کر جلتے پتھروں پر گرا دیا کرتے تھے۔

غرض ایسی وحشیانہ سزائیں دیتے تھے کہ صرف اسلام کی صداقت ہی ان کا مقابلہ کر سکتی تھی، پہلی امتوں نے کھوٹے روپے لے کر انبیاء علیہم السلام کو گرفتار اور قتل تک کرا دیا تھا۔

آنحضرت ﷺ کے ساتھ قریش کی بدسلوکیاں:

بسا اوقات نبی ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھائے جاتے؛ تاکہ رات کے اندھیرے میں آپ کے پاؤں زخمی ہوں، گھر کے دروازے پر عفونتیں پھینکی جاتیں؛ تاکہ صحت و جمعیت خاطر میں خلل پیدا ہو۔

نبی ﷺ اس قدر فرمادیا کرتے کہ: فرزندانِ عبدِ مناف! حق ہمسائیگی خوب ادا کرتے ہو۔ ابنِ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا چشم دید بیان ہے کہ ایک روز نبی ﷺ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آیا، اُس نے اپنی چادر کو لپیٹ دے کر رَسّی جیسا بنایا اور جب نبی ﷺ سجدہ میں گئے تو چادر کو حضور ﷺ کی گردن میں ڈال دیا اور پیچ پر پیچ دینے شروع کیے، گردن مبارک بہت دبوچی گئی تھی، تاہم حضور ﷺ اسی اطمینانِ قلب سے سجدے میں پڑے ہوئے تھے، اتنے میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آگئے، انہوں نے دھکے دے کر عقبہ کو ہٹایا اور زبان سے یہ آیت بھی پڑھ کر سنائی:

﴿اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ﴾ (سورۂ مؤمن، پارہ: ۲۴، آیت: ۲۸)

''کیا تم ایک بزرگ آدمی کو مارتے ہو اور صرف اس جرم میں کہ وہ اپنا پروردگار کہتا ہے اور تمہارے پاس اپنے رب کی طرف سے روشن دلائل بھی لے کر آیا''۔

چند شریر ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لپٹ گئے اور اُن کو بہت مارا پیٹا۔

ایک دوسری دفعہ کا ذکر ہے کہ نبی ﷺ خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے لگے، قریش بھی صحنِ کعبہ میں جا بیٹھے، ابوجہل بولا کہ آج شہر میں فلاں جگہ اُونٹ ذبح ہوا ہے، اوجھڑی پڑی ہوئی ہے، کوئی جائے اُٹھالائے اور اس (نبیؐ) کے اُوپر ڈال دے۔ شقی عقبہ اُٹھا، نجاست بھری اوجھڑی اُٹھالایا، جب نبی ﷺ سجدہ میں گئے تو پشت مبارک پر رکھ دی، آنحضرت ﷺ رب العزت کی جانب متوجہ تھے، کچھ خبر بھی نہ ہوئی، کفار ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہوئے جاتے تھے اور ایک دوسرے پر گرے جاتے تھے۔

ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی بھی موجود تھے، کافروں کا ہجوم دیکھ کر ان کا تو حوصلہ نہ پڑا؛ مگر معصومہ سیّدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا آ گئیں، انہوں نے باپ کی پشت سے اوجھڑی کو ہٹا دیا اور ان سنگ دل لوگوں کو سخت سُست بھی کہا۔

ایذاءرسانی کی باقاعدہ کمیٹیاں:

قریشِ مکہ نے نبی ﷺ اور مسلمانوں پر جو جور وستم ہو رہے تھے اُسے ہنوز ناکافی سمجھا؛ اِس لیے بجائے متفرق کوششوں کے باقاعدہ کمیٹیاں بنائی گئیں۔

مستہزئین کی جماعت:

ایک کمیٹی بنائی گئی جس کا امیر مجلس ابولہب تھا اور مکہ کے ۲۵ رسردار اُس کے ممبر تھے، اس کمیٹی میں حل طلب سوال ایک یہ بھی تھا کہ جو لوگ دُور دراز سے مکہ میں آتے ہیں اُنہیں محمد (ﷺ) کی نسبت کیا کہا جائے؛ تاکہ وہ لوگ اس کی باتوں میں نہ پھنسیں اور اس کی عظمت کے قائل نہ ہوں؟ ایک نے کہا: ہم بتلایا کریں گے کہ وہ کاہن ہے۔

ولید بن مغیرہ (جو ایک عمر رسیدہ بوڑھا تھا) بولا: مَیں نے بہت سے کاہن دیکھے ہیں؛ لیکن کہاں کاہنوں کی تُک بندیاں اور کجا محمد (ﷺ) کی کلا، ہم کو ایسی بات نہ کہنی چاہیے جس سے قبائلِ عرب یہ سمجھ لیں کہ ہم جھوٹ بھی بولتے ہیں۔

ایک نے کہا: ہم اسے دیوانہ بتایا کریں گے۔ ولید بولا: محمد کو دیوانگی سے کیا نسبت ہے؟

ایک بولا: اچھا ہم کہیں گے وہ شاعر ہے۔

ولید نے کہا: ہم جانتے ہیں کہ شعر کیا ہوتا ہے، اصنافِ سخن ہم کو بخوبی معلوم ہیں، محمد (ﷺ) کے کلام کو شعر سے ذرا مشابہت نہیں۔

ایک بولا: ہم بتایا کریں گے کہ وہ جادوگر ہے۔

ولید نے کہا: جس طہارت ولطافت ونفاست سے محمد رہتا ہے وہ جادوگروں میں کہاں ہوتی ہے، جادوگروں کی منحوس صورتیں اور نجس عادتیں الگ ہی ہوتی ہیں۔

دشمنوں کا عجز آنحضرت ﷺ کی توصیف سے، تعلیمِ نبویؐ پر کفار کی شہادت:

اب سب نے عاجز ہوکر کہا: چچا تم ہی بتاؤ کہ پھر کیا کہا جائے؟ ولید نے کہا: سچ تو یہ ہے کہ محمد کے کلام میں عجیب شیرینی ہے، اس کی گفتگو میں رس وحلاوت ہے، کہنے کو تو بس یہی کہہ سکتے ہیں کہ اس کا کلام ایسا ہے، جس سے باپ بیٹے، بھائی بھائی، شوہر وزن میں جدائی ہوجاتی ہے؛ اِس لیے اس سے پرہیز کرنا چاہیے، آخر اس کمیٹی نے مندرجہ ذیل ریزولیشن پر اتفاق کیا:

دشمنوں کے ریزولیشن آنحضرت ﷺ کے خلاف:

(حضرت) محمد (ﷺ) کو ہر طرح سے پریشان کیا جائے، بات بات میں اُن کی ہنسی اُڑائی جائے، تمسخر اور ایذاء سے اُنھیں تکلیف دی جائے، محمد کے سچا سمجھنے والوں کو انتہا درجہ کی تکالیف کا شکار کیا جائے۔

ہجرتِ حبشہ:

جب کفار نے مسلمانوں کو بے حد ستانا شروع کیا تو نبی ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اجازت دے دی کہ جو کوئی چاہے وہ اپنی جان وایمان کے بچاؤ کے لیے حبشہ چلا جائے، اِس اجازت کے بعد ایک چھوٹا سا قافلہ ۱۲/مرد اور ۴/عورتوں کا رات کی تاریکی میں نکلا اور بندرگاہِ شعیبہ سے جہاز میں سوار ہوکر حبش کو روانہ ہوگیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت:

اس مختصر قافلہ کے سردار حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، سیّدہ رقیہ بنت النبی ﷺ ان کے ساتھ تھیں، نبی ﷺ نے فرمایا: لوط وابراہیم علیہما السلام کے بعد یہ پہلا جوڑا ہے جنہوں نے راہِ اللہ میں ہجرت کی ہے۔

(جاری.....)

❑❖❑

قسط نمبر (۵)

حیات قطبِ دکنؒ

از:

مولانا سعید الحق صاحب قریشی

عام مسلمانوں سے رواداری و ہمدردی

ایک روز حضرت مولانا قاسم صاحب قریشی رحمۃ اللہ علیہ کی محلہ میں کسی آدمی سے کسی معاملہ پر تکرار ہوگئی، بات آئی اور ختم ہوگئی؛ لیکن حضرت اس کے بعد بڑے بے چین اور بے قرار ہوگئے اور تیسرے دن خود اس شخص کے گھر تشریف لے گئے ان سے معذرت چاہی اور فرمایا: بھائی! حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ بات چیت روکنا نہیں چاہیے؛ اس لیے میں تم سے بات کرنے اور معافی چاہنے آیا ہوں؛ تاکہ حدیث کی مخالفت نہ ہو؛ چنانچہ وہ شخص آپ کے اس کریمانہ اخلاق سے بہت متاثر ہوا۔

سلطنت کی جانب سے منصب کی پیشکش

پڑدادا حضرتؒ نے چالیس سال حیدرآباد میں گزارنے کے بعد حیدرآباد ترک کر کے اپنے وطن اودگیر میں علمِ دین کی خدمت کا ارادہ فرمایا، تو سرکارِ عالی کی طرف سے آپ کو اعزازی طور پر منصب کی پیش کش کی گئی، جس میں دو منصبیں تھیں، ایک پچاس روپیے ماہانہ اور ایک تیس روپیے ماہانہ؛ لیکن آپ نے صرف تیس روپیے والے منصب کو قبول فرمایا اور کہا کہ مجھے گزارہ کرنے کے لیے روزانہ صرف ایک روپیہ کافی ہے، یہ منصب ان الفاظ سے دیا گیا تھا کہ کوئی مولانا قاسم قریشی کی نظیر نہ لے؛ لیکن ان تیس

روپیوں میں سے بھی آپ ہر ماہ غریبوں کے علاج کے لیے پانچ روپے نکال لیا کرتے تھے اور چونکہ آپ حکیم حاذق بھی تھے، اکثر بیماروں کا علاج فرماتے اور کمال یہ تھا کہ معمولی معمولی دواؤں سے بڑی بڑی بیماریوں کا علاج کردیا کرتے تھے اور مریض صحت یاب ہوجاتے تھے۔

اخلاقِ کریمانہ وجذبۂ خدمتِ خلق

ایک غریب الحال مریض کا عجیب واقعہ سننے میں آیا، پڑدادا حضرتؒ ایک مسکین کے پاس بلدار صاحب کے گھر دبیر پورہ میں علاج کے لیے تشریف لے گئے، کیا دیکھتے ہیں مریض زمین پر پڑا ہوا ہے، غربت وافلاس کی وجہ سے اس کو بستر بھی نصیب نہیں تھا، حضرت اپنے گھر واپس تشریف لائے، اپنا ذاتی بستر، رضائی، توشک لپیٹ کر اٹھالائے، اپنے ہاتھوں سے بستر بچھایا، مریض کو خود اُٹھا کر بستر پر لٹادیا اور علاج ومعالجہ کرکے گھر تشریف لے آئے۔

مسندِ درس وتدریس کے شہسوار

اصل بات سے قبل یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ عالم یا علماء کن لوگوں سے عبارت ہے؟ وہ کون سا علم ہے جس سے وابستہ لوگوں کے لیے قرآن وحدیث میں فضیلت وارد ہوئی ہے؟ دانش اور دانائی کی بہت ساری قسمیں ہیں، ریاضیات، طبیعیات، نباتیات، حیوانیات، کیمیاء، فلکیات، ارضیات، نفسیات، طب وغیرہ وغیرہ، یہ سارے وہ فنون ہیں جن کے حصول میں اپنی زندگیاں صَرف کرنے والوں کو دنیا دانا یا دانشور کے لفظ سے یاد کرتی ہے، یہ تمام دنیوی فنون کہلاتے ہیں اور انسانیت کی خدمت کے لیے مدون کیے گئے ہیں، ان کے بالمقابل علومِ دینی اور شرعی ہیں، جن کا مدار اور محور اُخروی راحت وسعادت ہے، تخلیق انسانی کا مقصد اسی علم میں پنہاں ہے؛ کیونکہ خالقِ کائنات نے بنی آدم کو اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا جیسا کہ فرمانِ باری ہے:

﴿وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝﴾

(سورۂ ذاریات، پارہ:۲۷)

''ہم نے جنات اور انسانوں کو صرف عبادت کے لیے پیدا کیا۔''

عبادت ہر اس قول و عمل کا نام ہے جس سے اللہ راضی ہو جائے اور اس قول و عمل کے عنداللہ مقبول ہونے کے لیے اس کی صحیح ادائیگی ضروری ہے اور ادائیگی کی صحت کے لیے شریعت کی جانب سے دیے گئے احکام کا جاننا ضروری ہے جو احکام امر و نہی یعنی کرنے اور نہ کرنے پر مشتمل ہیں، ان کا تفصیلی علم انبیاء علیہم السلام یا ان کے وارثین کو ہوتا ہے، جو لوگ ان علوم کو سیکھتے یا سکھاتے ہیں اور ان کے حصول میں اپنی زندگی کا بیشتر حصہ صرف کرتے ہیں، انہیں علماءِ دین یا علماءِ اسلام کہا جاتا ہے۔

ختمِ نبوت کے بعد اللہ کے احکام کو بیان کرنے کی ذمہ داری انہیں کے کندھوں پر آپڑی ہے، وہ یہی علماء ہیں جن کا مشغلہ قرآن و حدیث، فقہ و تفسیر اور امت کو درپیش مسائل کا حل قرآن و سنت کی روشنی میں پیش کرنا ہے۔ یہ علماء ہی کا مقام و مرتبہ ہے کہ ان کے دم سے علم کا وجود ہے، جب اللہ تعالیٰ اس دنیا سے علماء کو اُٹھائیں گے، تو علم بھی اُٹھ جائے گا۔ رب ذوالجلال نے عالم اور غیر عالم کے درمیان برابری کو یکسر مسترد فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ﴾

(سورۂ زمر، پارہ: ۲۳، آیت:۹)

''کیا علم رکھنے والے اور وہ لوگ جو علم نہیں رکھتے برابر ہو سکتے ہیں؟ یعنی ہرگز اُن میں برابری نہیں۔''

اسی طرح فرمایا:

﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ﴾

(سورۂ مجادلہ، پارہ:۲۸، آیت:۱۱)

''جولوگ تم میں سے ایمان لے آئے اور جن کو علم عطا کیا گیا ان کے درجات کو اللہ بلند فرمائے گا۔''

انہیں فضائل کی بنیاد پر علماءِ امت نے دینِ اسلام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے سینہ بہ سینہ محفوظ کر کے ہم تک پہونچایا؛ تا کہ اسلام کا درخت تر وتازہ رہے اور احادیث وآیاتِ قرآنیہ کو باطل کی ملمع سازی، جاہل کی بے جا تاویل اور غلو پسند کی تحریف سے بچایا جائے، اسی کو بنیاد بنا کر علماءِ کرام اپنی راتیں قیام وسجود میں اور دن درس وتدریس میں صَرف کرتے ہیں۔

اسی سلسلہ کی ایک کڑی مسجد بیگ جی صاحب میں باضابطہ مدرسہ اور دارالاقامہ کا قیام ہے، مولانا محمد قاسم صاحب قریشی رحمۃ اللہ علیہ نے دین کی خدمت کے جذبہ کے تحت حیدرآباد کو ترک فرمایا اور اپنے وطن اودگیر تشریف لے آئے، یہاں آپ نے ۱۸۹۵ء مطابق ۱۳۱۵ھ میں ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی اور اس کا نام قاسم العلوم رکھا پھر یہاں درس وتدریس کا سلسلہ شروع فرمایا، خصوصاً طلبہ میں اصحابِ ستہ کی ایک جماعت قائم کی، جس میں حاجی عبدالصمد صاحبؒ، حاجی عبدالرؤف صاحبؒ اور عبدالقادر صاحبؒ لوہارے والے شامل تھے، پڑدادا حضرتؒ کے درس میں اکثر اودگیر کے بااثر اہلِ علم، تحصیل دار، تعلقہ دار ودیگر عہدہ دار بھی شریک ہوا کرتے تھے اور یہ بھی مشہور تھا کہ جنات کی ایک بہت بڑی جماعت شریکِ درس رہا کرتی ہے؛ بلکہ بعض دفعہ کچھ جن گھر بھی آیا کرتے، حضرت کی والدہ پوچھا کرتیں کہ بیٹا! تم مسجد میں اکیلے کیوں رہتے ہو؟ تو حضرت فرماتے: اماں! میں مسجد میں اکیلا نہیں رہتا؛ بلکہ جنوں کے بہت سارے بچے میرے ساتھ رہتے ہیں، اِس طرح آپ نے اپنے علوم کو جن وانس دونوں کے سینوں میں اُتارا اور دونوں ہی طبقے آپ سے فیض یاب ہوتے رہے۔

حضرتؒ کے خاص شاگرد

آپ کے خاص شاگردوں اور ساتھیوں میں سب سے ممتاز حضرت مولانا قاری غلام حسین خان صاحب نقشبندیؒ تھے، استاذ وشاگرد کی محبت کا یہ حال تھا دونوں رات دن

ساتھ رہتے تھے، ایک دوسرے کے گھر آنا جانا بھی تھا، حضرتؒ کے درس میں قاری صاحبؒ اکثر ''احیاء العلوم'' کی قرأت فرماتے، پھر حضرتؒ اس کی تشریح فرمادیا کرتے اور ایک بڑا مجمع اس کو سماعت کرتا تھا، حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی آواز بہت اچھی تھی، خصوصاً تلاوتِ کلام پاک فرماتے تو لوگوں پر عجیب کیفیت طاری ہوجاتی تھی، قاری صاحب حضرتؒ جامعہ نظامیہ حیدرآباد کے طالبِ علم تھے، جب آپ نے جامعہ نظامیہ جانے کا ارادہ ظاہر فرمایا تو حضرت مولانا قاسم صاحب قریشی نے فرمایا: کہ قاری صاحب میں یہاں تمہاری تعلیم مکمل کردوں گا، اب آپ مجھے چھوڑ کر نہ جایئے؛ بلکہ آپ مجھے دفن کرکے ہی جایئے؛ چنانچہ ایسا ہی ہوا، حضرتؒ اس کے بعد صرف تین سال ہی اودگیر میں رہ پائے تھے کہ آپ کا وصال ہوگیا، حضرت کے وصال کے بعد قاری صاحب آپ کے جانشین ہوئے اور وعظ ونصیحت، درس وتدریس کا سلسلہ کم وبیش ساٹھ (۶۰) سال تک اودگیر میں جاری رکھا۔

درسِ عربی ودینیات کا سلسلہ جو حضرت نے پُرخلوص بنیاد پر قائم کیا تھا، وہ آج بھی خاندانِ قطبِ دکن میں جاری وساری ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہْ

مجاہدہ میں اعتدال اختیار کریں

از:

قطبِ دکن

مولانا شاہ محمد عبدالغفور قریشی نوراللہ مرقدہٗ

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا حَبْلٌ مَمْدُوْدٌ بَيْنَ السَّارِيَتَيْنِ فَقَالَ: مَاهٰذَا الْحَبْلُ؟ قَالُوْا هٰذَا حَبْلٌ لِزَيْنَبَ فَإِذَا فَتَرَتْ تَعَلَّقَتْ بِهِ. فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا، حُلُّوْهُ، لِيُصَلِّ أَحَدُكُمْ نَشَاطَهُ، فَإِذَا فَتَرَ فَلْيَقْعُدْ. (اخرجه البخاري وأبوداؤد والنسائي)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ مسجد تشریف لائے تو دیکھتے کیا ہیں کہ ایک رَسّی دوستونوں کے درمیان تنی ہوئی بندھی ہوئی ہے، آپ نے فرمایا کہ یہ کیا چیز ہے؟ حاضرین نے عرض کیا کہ یہ حضرت زینبؓ کی رَسّی ہے، جب وہ (عبادت سے) تھک جاتی ہیں تو اس سے لگ جاتی ہیں، آپ نے فرمایا: کچھ نہیں، اس کو کھول ڈالو، (نفل) نماز طبیعت کی تازگی تک پڑھنی چاہیے اور جب تھکاوٹ اور مشکل ہونے لگے تو بیٹھ جانا چاہیے۔ (روایت کیا اِس کو بخاری وابوداؤدونسائی نے)

ائمۂ سلوک نے اتفاق کیا ہے کہ مجاہدہ وریاضت میں اس قدر افراط وغلو نہ کرے کہ طبیعت تنگ آجائے یا صحت میں فتور پڑ جائے۔ اِس حدیث میں اس تعلیم کی تصریح موجود ہے اور جن حضرات سے اس کی کثرت اور مبالغہ منقول ہے اُن پر شبہ نہ کیا جائے کہ غلبۂ شوق ومحبت میں ان کو فتور وسستی وتنگی عارض نہ ہوتی تھی اور حدیث میں بیٹھنے کو تھکنے پر مرتّب کیا گیا ہے۔

وضاحت: بات یہ ہے کہ مناسبت فطرت کسی میں اللہ تعالیٰ سے تعلق ونسبت میں کمی ہوتی ہے اور کسی میں زیادتی، اِسی وجہ سے صحابۂ کرامؓ میں بھی درجات ہیں اور اولیاء اللہ میں بھی درجات ہیں اور احوال میں بھی اختلاف ہے۔ کسی میں نوافل کا ذوق، کسی میں سخاوت کا ذوق، کسی میں درس وتدریس کا ذوق، کسی میں محبت واطاعت کا ذوق، کسی میں ذکر وفکر وتعلق مع اللہ کا ذوق، کسی میں وعظ اور لوگوں کی اصلاح کا ذوق، کسی میں روزوں وفاقہ کا ذوق، کسی میں دین پھیلانے کا ذوق، کسی میں جہاد کا ذوق، ہر ایک اپنے ذوق میں دوسروں سے ممتاز نظر آتا ہے۔

حضرت محبوبِ سبحانی غوثِ صمدانی شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہفتہ میں دو دن وعظ فرماتے اور بے حد وحساب حدنظر لوگ جمع ہوجاتے، اس میں آپ لوگوں پر توجہ ڈالتے، لوگوں پر اثر ہوتا، صاحبِ حال میں اور ترقی ہوتی، کوئی بے خود ہوجاتا، کوئی گناہوں سے توبہ کرلیتا، اپنی زندگی کو درست کرلیتا، کوئی کفر سے توبہ کرکے ایمان لے آتا۔ آپ کا یہ بھی ذوق تھا کہ چالیس سال عشاء کے وضو سے آپ نے فجر کی نماز ادا کی، پھر یہ بھی ذوق تھا کہ آپ فرماتے ہیں کہ تین دن سے چالیس دن تک ایسا بہت سا زمانہ گزرا کہ مَیں کھانے پینے اور سونے سے علیٰحدہ رہا اور فرمایا پندرہ سال تک عشاء کی نماز کے بعد ایک قرآن مجید ختم کرتا رہا ہوں اور ایک مرتبہ فرمایا کہ پچیس سال میں عراق کے جنگلوں میں ترکِ دنیا کیے ہوئے عبادت میں مصروف رہا۔

حضرت خواجہ خواجگان ہندالولی عطائے رسول خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ توجہ الی اللہ میں مستغرق رہتے، نماز کے وقت آپ کے کان میں حی علی الصلاۃ کی ندا دینی پڑتی اور آپ چونک کر نماز باجماعت کی طرف چلتے اور اسی توجہ میں ۹۰ رلاکھ لوگ مسلمان ہوئے اور بہ کثرت اولیاء باکرامت ہوئے اور بڑے بڑے اولیاء صاحبِ تصرف ہوئے جنہوں نے دین کو پھیلایا اور ہر طرف اسلام کو پھیلا دیا۔ حضرت بختیار کاکی، حضرت بابا شیخ فرید گنج شکر، حضرت مخدوم علاؤالدین علی احمد صابری کلیری رحمہم اللہ تعالیٰ جن کے سلسلۂ

غلامی میں سارے اکابرین دارالعلوم دیوبند اوران کے سیّد الطائفہ حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکیؒ اوران کے پیرومرشد حضرت میاں جی نُور محمد جھنجھانویؒ ہیں، جنھوں نے ساری دنیا میں سلوک وتصوف اور درسِ حدیث وتفسیر وفقہ کو پھیلا دیا۔ حضرت نظام الدین محبوب الٰہیؒ، حضرت نصیرالدین چراغ دہلویؒ اورخواجہ بندہ نواز گیسودرازؒ اور حضرت کلیم اللہ شاہ جہانیؒ یہ ایسے اللہ والے ہوئے کہ انہوں نے عالم کفر میں زلزلہ ڈال دیا اور اسلام ہی اسلام پھیلا دیا، اور کفر کے قلعوں کو نیست ونابود کر دیا۔

حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے ذوقِ تصوف وسلوک نے ایک لاکھ سے زیادہ خلفاء عالم میں پھیلا دیے۔ حضرت مولانا رشیداحمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ذوق شریعت کی حفاظت، درسِ حدیث اور سلوک وتصوف تھا۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ذوق درسِ حدیث اور دارالعلوم دیوبند کی ترقی اور عبادتوں کا ذوق تھا۔ دارالعلوم دنیا کی سب سے بڑی دینی درس گاہ بن گیا، ہر رمضان میں ہر رات میں ایک قرآن شریف ختم کرتے، غذا اس قدر کم کہ فرماتے چوبیس گھنٹوں میں صرف پاؤ بھر دودھ، پھر آخر عمر میں فرماتے کہ اب مجھے پاؤ بھر دودھ کی بھی حاجت نہیں رہی۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں درسِ حدیث اور انگریزوں سے جہاد کا ذوق تھا۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ میں لوگوں کا تزکیہ اور تصانیف کا ذوق تھا، جس سے آپ نے ہزاروں کی اصلاحِ قلوب فرمائی اور ایک ہزار کتابیں دین کی اشاعت میں لکھ دیں جو ہر فن میں ہیں۔ یہی کتاب ''التکشف'' جو فن سلوک میں لکھی ہے کیا کوئی اس دَور میں کوئی مثال پیش کرسکتا ہے۔ حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی شیخ العرب والعجم شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند میں درسِ حدیث کا بھی ذوق تھا کہ باوجود اسفار کے بخاری اور ترمذی پڑھاتے تھے اور انگریزوں سے جہاد بھی فرماتے تھے اور انگریز ہندوستان سے چلے بھی گئے۔ ضیافتِ مہمان کا بھی ذوق تھا کہ بکثرت مہمان ہر روز آپ کے دسترخوان پر رہتے تھے اور اصلاحِ نفوس کا بھی ذوق تھا کہ ہزاروں

لوگ آپ سے متعلق تھے اور اصلاح پاتے تھے اور راتوں میں نوافل، تلاوتِ قرآن شریف، دعاؤں اور اللہ کی جناب میں گریہ وآہ وزاری میں بھی رہتے تھے، ان تمام حضرات کو جس میں ذوق تھا اُس میں ریاضت ومجاہدہ اور محنت میں سستی، تکان، کمزوری نہیں آتی تھی؛ بلکہ نسبتِ باطنیہ سے اور قوتِ باطنی اور جسمانی بڑھتی تھی؛ اِس لیے ان کی محنتِ شاقہ حدیث کے خلاف نہیں تھی۔ ہاں! جولوگ ایسی قوت نہیں رکھتے اور تھک جاتے ہیں اور کمزور ہوجاتے ہیں اُن میں حرج آجاتا ہے، اُن کے لیے اوسط محنت کی تاکید کی گئی ہے کہ جب تک تازگی ہو نوافل پڑھیں اور جب تازگی نہ رہے چھوڑ دیں۔ حضرت صابر پیا کئی سال کھانا نہیں کھائے؛ مگر تازگی میں فرق نہیں آیا۔

بہرحال عبادتوں میں تازگی اور نشاط شرط ہے؛ اِس لیے اللہ والے مجاہدوں میں ایک سے بڑھ کر ایک نظر آتے ہیں۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں: مَیں ایک ایسے بزرگ سے واقف ہوں جو چالیس سال سے صرف ایک بادام پر ہیں، آپ کے وصال پر تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ آپ ہی تھے۔ ایک بزرگ کی غذا صرف سات منقّے تھی، خادم نے ایک دفعہ دیکھا کہ آپ کچھ ملول ہیں، تو دو دانے اور بڑھا دیے، صبح خادم سے فرمایا: کیا بات ہے بھائی رات بھر سُستی رہی، عبادت میں لطف نہیں آیا؟ خادم نے کہا: حضرت! مَیں نے دو دانے اور بڑھا دیے تھے، آپ کو ذرا ملول پایا تھا، حضرت اِس پر بہت خفا ہوئے اور خدمت سے نکال دیا۔ اللہ والوں سے یہ سب جو ہوا ہے غلبۂ شوق میں ہوا ہے جو محمود ہے، بُرا نہیں ہے۔

ماہِ محرم کی ایک عظیم یادگار

از قلم:
مولانا یوسف صاحب قاسمی

تاریخِ عالم میں ہر سال جب بھی ۲۹ر یا ۳۰ر ذوالحجہ کی تاریخ ختم ہوکر محرم کا پہلا چاند طلوع ہوگا گویا وہ زبانِ حال سے اقوامِ عالم میں مسلمانوں کو دعوت دے گا کہ لوگو! اپنے بزرگوں اور اَسلاف کی قربانیوں کو یاد کرو، سالِ نَو کے آغاز پر اپنے عزائمِ حقہ کی تجدید کرو اور انہوں نے عمل کر کے جو نقشہ چھوڑا ہے تم بھی اپنی نسلوں کے لیے بلند عزائم دین کی تبلیغ واشاعت کا جذبہ حق کی خاطر جان ومال اور وطن عزیز کو قربان کرنے کا بہترین نمونہ چھوڑ جاؤ اور خاص کر واقعۂ ہجرت کو یاد کرو اور اس کے دونوں پہلوؤں پر غور کرو۔

جس میں رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی خاطر اپنے اس وطنِ عزیز کو چھوڑا جس کو اللہ رب العالمین نے قرآنِ کریم میں کہیں مکہ کہا، بکہ کہا، بلد امین کہا، جس کی اللہ رب العالمین نے قسم کھائی، جہاں خانۂ کعبہ ہے، جس میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے، ان سب فضائل، اجر وثواب اور وہاں کی محبتوں کو چھوڑ کر حبیبِ کبریاء امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ کو چھوڑ رہے تھے، تو ٹیلے پر سے ایک نگاہ مکہ پر ڈالتے ہوئے فرمارہے تھے: (اے مکہ!) خدا کی قسم! تُو اللہ کی سب سے بہترین زمین ہے اور سب سے زیادہ اللہ کے نزدیک محبوب ہے، اگر مَیں نکالا نہ جاتا تو نہ نکلتا۔ (ترمذی شریف)

دراصل رسول اللہ ﷺ کا مکہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کا اصل مقصد جس کی بنیاد ماہِ محرم میں رکھی گئی تھی یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے آئے ہوئے پیغام واحکام کو محفوظ کیا جائے اور اس کو موجود وآئندہ نسلوں اور ساری دنیا تک پہنچادیا جائے، خواہ اللہ کے احکام کی تبلیغ کے لیے اپنی محبوب ترین چیز کو چھوڑنا پڑے اور خواہ وطنِ عزیز کی قربانی دینا پڑے، ہر طرح کے ناسازگار ماحول میں شدید ترین مخالفتوں اور عداوتوں کا

مقابلہ کرنا پڑے، تمام رکاوٹوں اور دشواریوں کا منہ توڑ جواب دے کر حق بلند کرنے کی طاقت وصلاحیت بہرصورت اپنے اندر پیدا کرنا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلامی سَن کی علامت نہ فتح مکہ کو مقرر فرمایا نہ وفاتِ رسول اللہ ﷺ کو؛ بلکہ واقعۂ ہجرت کو اسلامی سَن کی علامت کا حکیمانہ فیصلہ فرمایا؛ کیوں کہ اگر خوشی کے موقعہ کو اسلامی سَن کی علامت قرار دیا جاتا تو اس سے فخر وغرور کے جذبات پروان چڑھتے اور غم کے موقعہ کو علامت قرار دیا جاتا تو اس سے مایوسی اور بزدلی کا روگ لگ جاتا تھا، جبکہ ہجرتِ مدینہ بہ یک وقت غم ومسرت دونوں کی یادگار ہے کہ مکہ سے بے سروسامانی کے عالَم میں نکل کر مدینہ ہجرت کرنا یہ غم کی یاد تازہ کرتا ہے؛ لیکن جب اہلِ مدینہ کے استقبال اور ارضِ مدینہ کی اسلام کے لیے فراخی اور اس کے بعد فتوحات کا سلسلہ سامنے آتا ہے تو غم بالکل ختم ہوکر نیا جوش اور نیا حوصلہ ملتا ہے۔ اسی واقعۂ ہجرت نے اسلامی تاریخ اور پیغمبر اسلام کی حیاتِ طیبہ کے ذریعہ کاروانِ اسلام کو ایک نئی سمت عطا کی، جس میں غم ومسرت کو ایک ساتھ جمع کرنے کی وجہ سے نہ جشنِ مسرّت کے مفاسد کا اندیشہ رہا نہ یادگارِ غم کی بے چینی وبزدلی کا خطرہ رہا۔

اس لیے ماہِ محرم میں خصوصیت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے جاں نثار صحابہؓ کی ہجرت کا ذکر کثرت سے کرنا چاہیے، اگرچہ ہجرت ربیع الاوّل میں ہوئی؛ لیکن محرم، صفر اور بقیہ دن کی کسر نکال کر سَن یکم محرم ہی سے شروع کیا گیا تھا؛ کیوں کہ سَن کی بنیاد ہی واقعۂ ہجرت کو بنایا گیا، ہجرت کی تاریخ کو نہیں، سَن وہی رکھا گیا جو محرم سے شروع ہوکر ذوالحج پر ختم ہوتا ہے۔ یہی وہ تاریخ ساز اور ناقابلِ فراموش واقعہ ہے جو غم وخوشی سے بے چارگی اور بااختیاری کمزوری وطاقت دونوں قسم کی متضاد حالتوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے؛ لہٰذا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ واقعۂ ہجرت کی خصوصی نسبت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم غلامانِ رسول ﷺ اس مہینہ کو خصوصاً ان ہی قربانیوں کو یاد کرکے گزارنے کی فکر کریں۔

گزرے ہوئے سال کا بھرپور جائزہ لیں کہ ارکانِ اسلام اور احکامِ اسلام میں کیا

کمی کی اور اس کی تکمیل کس طرح ہوسکتی ہے اور مستقبل کے لیے اس کی ادائیگی کا مکمل پروگرام بنائے اور تجدید عہد کرے کہ گزشتہ کی تمام کوتاہیوں کا ازالہ کرتا رہوں گا اور تمام اعمالِ خیر میں نیتِ اصلاح کے ساتھ خوب عمل کروں گا۔ ماہِ محرم چونکہ ''اَشْہُرِ حُرُمْ'' میں سے ہے؛ اِس لیے قابلِ احترام ہے، اِس وجہ سے اِس ماہ میں کسی قسم کی لڑائی جھگڑا اور ہر قسم کے فساد سے مکمل احتیاط کرتے ہوئے اِس ماہ کا خوب اَدب کیا جائے اور سنتِ رسول ﷺ کی تکمیل کے لیے ہر سال ماہِ محرم میں ۹، ۱۰ یا ۱۰، ۱۱ کو روزہ رکھنے کا ضرور اہتمام کیا جائے، خاص کر اِس ماہ میں واقعۂ ہجرت کو خوب یاد کیا جائے؛ کیوں کہ واقعۂ ہجرت ہی کو سنہ ہجری کی بنیاد ڈال کر اسلامی سال کا پہلا مہینہ محرم قرار دیا گیا ہے؛ اِس لیے اس ماہِ محرم میں یہ عزم کرلیا جائے کہ اللہ کی طرف سے آئے ہوئے احکام و پیغام پر مکمل عمل کر کے اس پیغام کو موجود و آئندہ نسل تک پہنچائیں گے اور تبلیغ کرنے کا پورا اہتمام کریں گے۔

❑❖❑

عورت کی حیثیتِ عرفی کی بحالی اور اُس کے حقوق کی بازیابی

از:

مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندوی قدس سرہٗ

اسلام سے پیشتر طبقۂ نسواں کی حالت:

پہلے ہم یہاں کچھ تمہیدی باتیں کہنا چاہتے ہیں، جو ان اقدامات کو سمجھنے کے لیے ضروری ہیں، جو اسلام نے عورتوں کے مفاد میں کیے ہیں، یہاں مشہور عرب فاضل استاذ عباس محمود العقّاد کی کتاب ''المرأۃ فی القرآن'' کے کچھ اقتباسات پیش کریں گے جو اس موضوع پر وسیع تحقیقی جائزہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مصنّف موصوف نے اسلام سے پہلے مذاہب اور معاشروں میں عورت کے مقام سے بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''ہندوستان میں مانُو کی شریعت، باپ، شوہر یا دونوں کی وفات ہوجانے کی صورت میں بیٹے سے علیٰحدہ عورت کا کوئی مستقل حق نہیں مانتی تھی، اور ان سب کی وفات کے بعد اس کا شوہر کے کسی قریبی رشتہ دار سے متعلق ہوجانا ضروری تھا، وہ کسی حال میں اپنے معاملہ میں خودمختار نہیں ہوسکتی تھی، معاشی معاملات میں اس کی حق تلفی سے زیادہ سختی اس کے شوہر سے علیٰحدہ زندگی کے انکار کی صورت میں تھی، جس کے مطابق بیوی کو شوہر کے مرنے کے دن مرجانا اور اس کی چِتا پر سَتی ہوجانا ضروری تھا، یہ پُرانی رسم برہمنی تمدن کے قدیم زمانہ سے سترہویں صدی تک برقرار رہی اور اس کے بعد مذہبی حلقوں کی ناپسندیدگی کے باوجود ختم ہوگئی۔

حمورابی کی شریعت (جس کی وجہ سے بابل مشہور ہوا تھا) عورت کو پالتو جانور سمجھتی تھی اور اس کی نظر میں عورت کی حیثیت کا اندازہ اِس سے ہوسکتا ہے کہ اس کی رو سے اگر کسی نے کسی کی لڑکی کو قتل کیا ہے تو قاتل کو اپنی لڑکی مقتولہ لڑکی کے بدلہ میں حوالہ کرنی ہوتی تھی؛ تاکہ لڑکی والا اُسے قتل کردے، یا باندی بنالے، یا معاف کردے؛ مگر وہ اکثر حکمِ شریعت کے نفاذ کی خاطر قتل ہی کی جاتی تھی۔ یونان قدیم میں عورت ہر قسم کے حقوق اور آزادی سے محروم تھی، اُسے ایسے بڑے گھروں میں رہنا ہوتا تھا جو راستہ سے دُور، کم کھڑکیوں والے ہوتے تھے، اور ان کے دروازوں پر پہرہ دار مقرر رہتے تھے، بیویوں اور گھریلو عورتوں کی طرف بے توجہی کے سبب بڑے یونانی شہروں میں ایسی محفلیں عام ہوگئی تھیں جن میں گانے والیوں اور حسین عورتوں سے دل بہلایا جاتا تھا، مہذب محفلوں میں عورتوں کو مَردوں کے ساتھ جانے کی بہت کم اجازت تھی، اسی طرح فلسفیوں کے حلقے عورتوں کی موجودگی سے خالی نظر آتے ہیں، اور پیشہ ور عورتوں یا مطلقہ باندیوں جیسی شہرت وعزت کسی شریف خاتون کو حاصل نہیں ہوئی۔

ارسطو اہل اسپارٹا (Sparta) پر اعتراض کرتا تھا کہ وہ اپنے خاندان کی عورتوں کے ساتھ نرمی برتتے ہیں اور انھوں نے ان کو وراثتِ طلاق اور آزادی کے حقوق دے رکھے ہیں، جن سے وہ بلند مقام ہوگئی ہیں، وہ اسپارٹا کے زوال واضمحلال کو عورتوں کی بے جا آزادی ہی کا نتیجہ سمجھتا ہے۔ قدیم رومیوں کا عورتوں کے ساتھ معاملہ قدیم ہندوؤں ہی جیسا تھا، جس کے تحت وہ باپ، شوہر اور بیٹوں کے ماتحت رہتی تھیں، اپنے تہذیبی عروج کے دَور میں ان کا خیال تھا کہ: ''نہ عورت کی بیڑی کاٹی جاسکتی ہے نہ اُس کی گردن سے جُوا اُتارا جاسکتا ہے''۔

چنانچہ کاٹو کا قول تھا:

"Nunguam Exvitur Servitus Mulie Brio"

''رومی عورت ان قیود سے اسی وقت آزاد ہوئی جب بغاوت اور نافرمانی کر کے رومی غلام آزاد ہوئے اور عورت کو غلام رکھنا ناممکن ہو گیا''۔

استاذ عقاد نے قدیم مصری تہذیب میں عورتوں کے بعض حقوق واختیارات کے ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

''اسلام سے پہلے مصری تہذیب اور اس کے قوانین ختم ہو چکے تھے، اور شرق اوسط میں اس دَور میں رومی تہذیب کے سقوط اور اس کی عیاشی اور لذت پرستی کے رَدِّعمل کے طور پر دنیوی زندگی سے نفرت کا رجحان پیدا ہو گیا تھا؛ بلکہ زندگی اور آل واولاد کی طرف سے سرد مہری پیدا ہو گئی تھی، اور زاہدانہ رجحان نے جسم اور عورت کو نجس سمجھ لیا تھا، اور عورت کو گناہوں کا ذمہ دار قرار دیا جاتا تھا، اور غیر ضرورت مند کے لیے اس سے دُوری اچھی سمجھی جاتی تھی۔

یہ قرونِ وسطیٰ کے اس رجحان ہی کا اثر تھا کہ پندرہویں صدی عیسوی تک بعض علماء لاہوت، عورت کی فطرت کے بارے میں سنجیدگی سے غور کر رہے تھے، اور ''ماکون'' (Macon) کے اجتماع میں وہ یہ سوال کر رہے تھے کہ کیا وہ جسم بلا روح ہے یا روح رکھنے والا جسم ہے، جس سے نجات یا ہلاکت متعلق ہوتی ہے؟ اکثریت کا خیال یہ تھا کہ وہ نجات پانے والی روح سے خالی ہے، اور اس میں کنواری مریمؑ والدہ حضرت مسیحؑ کے سوا کسی کا استثناء نہیں۔

رومی عہد کے اس رجحان نے بعد کی مصری تہذیب میں عورت کے مقام کو متأثر کیا، مصریوں پر رومی مظالم کی شدت ان کی رہبانیت اور دنیا بیزاری کا سبب بن گئی تھی؛ چنانچہ بہت سے زاہد لوگ رہبانیت کو قربِ الٰہی کا ذریعہ اور شیطان کے مکر سے (جس میں عورت سرفہرست تھی) دُوری کا وسیلہ جانتے تھے۔

بہت سے مغربی مؤرخین یہ الزام لگاتے ہیں کہ: اسلام نے اپنی شریعت میں اگلی شریعتوں خصوصاً شریعتِ موسوی سے بہت کچھ اخذ کیا ہے، اس دعویٰ کا بطلان توراتی شریعت اور قرآنی شریعت میں عورتوں کے مقام کے باہمی موازنہ ہی سے اچھی طرح ہوجاتا ہے۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کتابوں کی تعلیم کے مطابق لڑکی باپ کی میراث سے خارج ہوجاتی ہے اگر اس کی اولاد ذکور موجود ہو۔

یہ اس ہبہ کی قبیل سے ہے جسے باپ اپنی زندگی میں اختیار کرتا ہے؛ تاکہ مرنے کے بعد واجباتِ شرعیہ کی طرح میراث واجب نہ ہو۔

میراث کے بارے میں حکم صریح یہ ہے کہ جب تک اولاد ذکور رہے گی لڑکی اُس سے محروم رہے گی، اور جس لڑکی کو میراث ملے گی اُسے کسی دوسرے قبیلہ میں شادی کی اجازت نہ ہوگی، اور نہ اسے کسی اور قبیلہ کی طرف میراث منتقل کرنے کی اجازت ہوگی، یہ حکم کتبِ تورات میں متعدد جگہوں پر ہے۔

اب ہم ان بلادِ مقدسہ کی طرف رجوع کرتے ہیں جہاں قرآنِ کریم کی دعوت شروع ہوئی تھی، یعنی جزیرۃ العرب؛ مگر آپ کو وہاں بھی اس کی توقع نہیں رکھنی چاہیے کہ وہاں عورتوں کے ساتھ انصاف اور اکرام کا کوئی الگ معاملہ کیا جاتا تھا؛ بلکہ جزیرۃ العرب کے بعض اَطراف میں عورتوں سے بدمعاملگی دنیا کے سارے ملکوں سے زیادہ تھی، اور بعض اَطراف میں اس لیے اس سے اچھا معاملہ کیا جاتا تھا اور اس کی شوہر کے یہاں عزت تھی کہ وہ کسی بارعب رئیس کی لڑکی یا کسی محبوب بیٹے کی ماں ہے؛ لیکن اس کی عزت صرف اس لیے کی جاتی کہ وہ عورت ہے، اور اس حیثیت سے وہ حقوق کی مستحق ہے، اس کی توقع نہیں کرنی چاہیے کہ باپ، شوہر، بھائی اور بیٹے اپنی ملکیت یا حمایت میں داخل اشیاء کی طرح اس کی حفاظت کرتے تھے؛ کیوں کہ یہ آدمی کے لیے عیب تھا

کہ اس کے حرم کی بے حرمتی کی جائے، جس طرح یہ عیب تھا کہ اس کی حمایت یافتہ یا کسی ممنوعہ چیز پر دست درازی کی جائے، جس میں اس کے گھوڑے، جانور، کنواں اور چراگاہ شامل تھی، وہ مال ومویشی کے ساتھ میراث میں منتقل ہوتی تھی، آدمی شرم کے مارے اپنی بیٹی کو بچپن ہی میں زندہ درگور کردیتا تھا، اوراس پر خرچ کو بوجھ سمجھتا تھا، جب کہ اپنی مملوکہ باندی یا نفع بخش جانور پر خرچ کو بوجھ نہیں سمجھا جاتا تھا، اور جو اسے زندہ رکھتے اور بچپن میں جاں بخشی کردیتے ان کی نظر میں اس کی قیمت میراث کی تھی، جو باپ سے بیٹوں کو منتقل ہوتی تھی، اور قرض یا سُود کی ادائیگی میں اسے بیچا اور رہن رکھا جاسکتا تھا، وہ اس انجام سے اسی وقت بچ سکتی تھی جب وہ کسی معزز قبیلے کی فرد ہوتی جس کی حمایت وقربت کو وقعت حاصل ہوتی تھی''۔

بُدھ مت:

''بدھ مت'' میں عورت کے بارے میں خیالات کا ایک نمونہ ''مذہب واخلاق کی انسائیکلو پیڈیا'' کے مقالہ نگار نے ایک بدھ مفکر (Chullavagga) کے قول سے پیش کیا ہے، جسے (Oldenberg) نے اپنی کتاب (Buddha) (مطبوعہ ۱۹۰۶ء ص:۱۶۹) پر نقل کیا ہے کہ:

''پانی کے اندر مچھلی کی ناقابلِ فہم عادتوں کی طرح عورت کی فطرت بھی ہے، اس کے پاس چوروں کی طرح متعدد حربے ہیں اور سچ کا اس کے پاس گزر نہیں''۔

ہندو دھرم:

مذکورہ انسائیکلو پیڈیا کا مقالہ نگار عورتوں کے بارے میں ہندوؤں کے خیالات کے بارے میں لکھتا ہے:

''برہمن ازم میں شادی کو بڑی اہمیت حاصل ہے، ہر شخص کو شادی کرنا چاہیے؛ لیکن منو کے قوانین کی رو سے شوہر بیوی کا سرتاج ہے، اسے اپنے شوہر کو ناراض کرنے والا کوئی کام نہیں کرنا چاہیے، حتیٰ کہ وہ اگر دوسری عورتوں سے تعلقات رکھے یا مرجائے تب بھی کسی دوسرے مرد کا نام اپنی زبان پر نہ لائے، اگر وہ نکاحِ ثانی کرتی ہے تو وہ سُوَرگ سے محروم رہے گی، جس میں اس کا پہلا شوہر رہتا ہے، زوجہ کے غیر وفادار ہونے کی صورت میں اسے انتہائی کڑی سزا دی جانی چاہیے، عورت کبھی بھی آزاد نہیں ہوسکتی، وہ ترکہ نہیں پاسکتی، شوہر کے مرنے پر اپنے سب سے بڑے بیٹے کے تحت زندگی گزارنی ہوگی، شوہر اپنی بیوی کو لاٹھی سے بھی پیٹ سکتا ہے''۔

''یونیورسل ہسٹری آف دیورلڈ''(Ray Strachey) ہندوستان کے بارے میں لکھتا ہے:

''رِگ وید میں (جس میں انسان کے جدامجد کی حکایات بھی ہیں) عورتوں کو پست اور حقیر مقام دیا گیا ہے، بعد میں یہ سمجھا جانے لگا کہ وہ روحانی طور پر ناقابلِ اعتبار؛ بلکہ تقریباً بے روح ہے اور موت کے بعد مَردوں کی نیکیوں کے بغیر اسے بقا نہیں حاصل ہوسکتی، اس کی ساری اُمیدوں کو ختم کرنے والے مذہب کے ساتھ رسم ورواج کی بیڑیوں نے (جو رفتہ رفتہ پیدا ہوتی گئیں) یہ ناممکن کردیا کہ عورت کسی نمایاں شخصیت کو جنم دے سکے، عورتوں کو جنم دینے والے منو نے انھیں اپنے گھر، بستر، زیور کی محبت، بُری خواہشیں، غصہ، بے ایمانی اور بُرے اَطوار عطا کیے، عورتیں اتنی ہی بُری ہیں جتنا کہ جھوٹ، یہ ایک مسلّم حقیقت تھی، عورت کی فطرت میں یہ داخل ہے کہ وہ مَردوں کو اس دنیا میں غلط راستہ پر ڈالے؛ اِسی لیے عقلمند عورتوں کی صحبت میں بے فکر ہوکر نہیں بیٹھتے۔

بچپن کی شادی کی رسم، بیواؤں سے نفرت پرستی، اور پردہ ایک ایسے سماج کے حسبِ حال ہیں جس میں عورتوں کی اہمیت بچے جننے والی مخلوق سے زائد نہیں، شاید نوزائیدہ لڑکیوں کی موت ایک ایسی دنیا میں ان کے لیے رحمت ہے، جس میں اسے شکوک، بُرائی کا سرچشمہ، دھوکہ باز، سورگ کے راستہ کا روڑا، اور نرک کا دروازہ سمجھا جاتا ہے''۔

ہندوستانی سماج میں عورت کی حیثیت:

برہمنی زمانہ اور تہذیب میں عورت کا وہ درجہ نہیں رہا تھا جو ویدی زمانہ میں تھا، منو کے قانون میں (بقول ڈاکٹر لی بان) عورت ہمیشہ کمزور اور بے وفا سمجھی گئی ہے اور اس کا ذکر ہمیشہ حقارت کے ساتھ آیا ہے۔

شوہر مرجاتا تو عورت گویا جیتے جی مرجاتی اور زندہ درگور ہوجاتی، وہ کبھی دوسری شادی نہ کرسکتی، اس کی قسمت میں طعن وتشنیع اور ذلّت وتحقیر کے سوا کچھ نہ ہوتا، بیوہ ہونے کے بعد اپنے متوفی شوہر کے گھر کی لونڈی اور دیوروں کی خادمہ بن کر رہنا پڑتا، اکثر بیوائیں اپنے شوہروں کے ساتھ ستی ہوجاتیں۔ ''ڈاکٹر لی بان'' لکھتا ہے: بیواؤں کو اپنے شوہروں کی لاش کے ساتھ جلانے کا ذکر منوشاشتر میں نہیں ہے؛ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسم ہندوستان میں عام ہوچلی تھی؛ کیوں کہ یونانی مؤرخین نے اس کا ذکر کیا ہے۔

غرض یہ سرسبز وشاداب ملک جوفطرت کے خزانوں سے مالامال تھا، سچے آسمانی مذاہب کی تعلیمات سے عرصہ سے محروم ہونے اور مذہب کے مستند ماخذوں کے گم ہوجانے کی وجہ سے قیاسات وتحریفات کا شکار اور رسوم وروایات کا پرستار بنا ہوا تھا، اور اس وقت کی دنیا میں جہالت وتوہم پرستی، پست درجہ کی بُت پرستی، نفسانی خواہشات اور طبقہ داری ناانصافی میں پیش پیش تھا، اور دنیا کی اخلاقی وروحانی رہبری کے بجائے خود اندرونی انتشار اور اخلاقی بدنظمی میں مبتلا تھا۔

چِین:

مسٹر رے اسٹر یچی چِین میں عورت کی حیثیت کے بارے میں لکھتا ہے:

''مشرق بعید یعنی چین میں حالات اس سے بہتر نہیں تھے، چھوٹی لڑکیوں کے پیروں کو کاٹھ مارنے کی رسم کا مقصد یہ تھا کہ انھیں بے بس اور نازک رکھا جائے، یہ رسم اگرچہ اعلیٰ اور مالدار طبقات میں رائج تھی؛ لیکن اس سے ''آسمانی حکومت'' کے دَور میں عورتوں کی حالت پر روشنی پڑتی ہے''۔

انگلستان:

مذکورہ مقالہ نگار انگلستان میں عورتوں کے مقام کے بارے میں تحریر کرتا ہے:

''وہاں اسے ہر قسم کے شہری حقوق سے محروم رکھا گیا تھا، تعلیم کے دروازے اس پر بند تھے، صرف چھوٹے درجہ کی مزدوری کے علاوہ وہ کوئی کام نہیں کرسکتی تھی، اور شادی کے وقت اسے اپنی ساری اَملاک سے دستبردار ہونا پڑتا تھا۔

یہ کہا جاسکتا ہے کہ قرونِ وسطیٰ سے انیسویں صدی تک عورت کو جو درجہ دیا گیا تھا، اُس سے کسی بہتری کی اُمید نہیں کی جاسکتی تھی''۔

جاہلیت میں عورت کا درجہ:

جاہلی معاشرہ میں عورت کے ساتھ ظلم و بدسلوکی عام طور سے رَوا سمجھی جاتی تھی، اُس کے حقوق پامال کیے جاتے، اس کا مال مرد اپنا مال سمجھتے، وہ ترکہ اور میراث میں کچھ حصہ نہ پاتی، شوہر کے مرنے یا طلاق دینے کے بعد اس کو اجازت نہیں تھی کہ اپنی پسند سے دوسرا نکاح کرسکے، دوسرے سامان اور حیوانات کی طرح وہ بھی وراثت میں منتقل ہوتی رہتی تھی، مرد تو اپنا پورا پورا حق وصول کرتا؛ لیکن عورت اپنے حقوق سے مستفید نہیں ہوسکتی تھی، کھانے میں بہت سی ایسی چیزیں تھیں جو مَردوں کے لیے خاص تھیں، اور عورتیں اُن سے محروم تھیں۔

لڑکیوں سے نفرت اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ انھیں زندہ درگور کرنے کا بھی رواج تھا، ہثیم بن عدی نے ذکر کیا ہے کہ زندہ درگور کرنے کا اُصول عرب کے تمام قبائل میں رائج تھا، ایک اس پر عمل کرتا تھا، دس چھوڑتے تھے، یہ سلسلہ اس وقت تک رہا جب تک کہ اسلام نہیں آیا۔ بعض ننگ وعار کی بنا پر، بعض خرچ ومفلسی کے ڈر سے اولاد کو قتل کرتے، عرب کے بعض شرفاء ورؤسا ایسے موقعہ پر بچوں کو خرید لیتے اور ان کی جان بچا لیتے۔ صعصعہ بن ناجیہ کا بیان ہے کہ: اسلام کے ظہور کے وقت تک مَیں تین سو زندہ درگور ہونے والی لڑکیوں کو فدیہ دے کر بچا چکا تھا۔ بعض اوقات کسی سفر کی مشغولیات کی وجہ سے لڑکی سیانی ہوجاتی اور دفن کرنے کی نوبت نہ آتی، جاہلی باپ دھوکہ دے کر اُس کو لے جاتا اور بڑی بے دردی سے اس کو زندہ درگور کرآتا، اسلام لانے کے بعد بعض عربوں نے اس سلسلہ کے بڑے اندوہناک اور رِقّت آمیز واقعات بیان کیے ہیں۔

اسلام میں عورتوں کا مقام:

اسلام نے عورتوں کو جو مرتبہ دیا ہے اور عورتوں کی زندگی میں؛ بلکہ دنیا کی معاشرتی زندگی میں جو انقلابِ عظیم برپا کیا ہے، وہ پڑھی لکھی تعلیم یافتہ خواتین کو معلوم ہوگا، (مَیں یہاں اس کا مختصر سا تذکرہ کرتا ہوں) دنیا کے مختلف مذاہب اور قوانین کی تعلیمات کا مقابلہ اسلام کے اس نئے منفرد وممتاز کردار (Role) سے اگر کیا جائے جو اسلام نے عورت کے وقار واعتبار کی بحالی، انسانی سماج میں اسے مناسب مقام دلانے، ظالم قوانین، غیر منصفانہ رسم ورواج اور مَردوں کی خود پرستی، خودغرضی اور تکبّر سے اسے نجات دلانے کے سلسلہ میں انجام دیا ہے تو آنکھیں کھل جائیں گی، اور ایک پڑھے لکھے آدمی کو، حقیقت پسند انسان کو اعتراف واحترام میں سر جھکا دینا پڑے گا، قرآن مجید پر ایک سرسری نظر ڈالنا بھی عورت کے بارے میں جاہلی نقطۂ نظر اور قرآنی اسلامی زاویۂ نگاہ کے کھلے فرق کو سمجھنے کے لیے کافی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ دین میں، دین کے احکام ومسائل میں، فرائض میں، عبادات میں، عقائد میں اور علم میں کم

سے کم ہمارا جس امت سے تعلق ہے، جس دین سے تعلق ہے، اُس میں عورتیں محروم نہیں رکھی گئیں اور انھیں نظر انداز نہیں کیا گیا؛ بلکہ وہ اس میں شریک ہیں؛ اِس لیے کہ ان کے لیے مستقل احکام ومسائل اور نماز وروزہ، حج، زکاۃ اور اس کے علاوہ دین کے دوسرے مسائل وعبادات میں وہ برابر کی شریک ہیں اور اسی طرح وہ دین وعلم، خدمتِ اسلام، خیر وتقویٰ میں تعاون اور صالح معاشرہ کی تعمیر میں پوری طرح حصہ لے سکتی ہیں۔

قرآنِ کریم قبولِ اعمال، نجات وسعادت اور آخرت کی کامیابی کے بیان میں ہمیشہ مَردوں کے ساتھ عورتوں کا بھی ذکر کرتا ہے:

﴿وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَ لَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ۝﴾ (النساء:۱۲۴)

''اور جو کوئی نیکیوں پر عمل کرے گا (خواہ) مرد ہو یا عورت اور وہ صاحبِ ایمان ہو تو ایسے (سب) لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرا بھی ظلم نہیں ہوگا''۔

دنیا کے بہت سے مذاہب ایسے ہیں جن میں بعض کام مَردوں کے ساتھ خاص ہیں عورتوں کا اُس میں کوئی حصہ نہیں ہے؛ بلکہ عورتیں اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتیں، ان کا اس سے قریب ہوجانا یا پرچھائی پڑ جانا بھی اس کام کو برباد کر دیتا ہے۔

دنیا کا ایک بہت بڑا مذہب عیسائیت جس کے پیرو دنیا میں شاید سب سے زیادہ ہیں، عیسائیت باوجود اس کے کہ وہ یورپ میں بڑی پھلی پھولی، اس میں عورتوں کو بہت سی چیزوں سے محروم رکھا گیا ہے۔

قرنِ وسطیٰ میں ایک زمانہ ایسا گزرا ہے جس میں یہ تھا کہ عورت مالک نہیں ہوسکتی کسی چیز کی، اپنے حقوق ان کو حاصل نہیں تھے، وہ کسی زمین کی مالک ہو ایسا نہیں ہوسکتا تھا، بہت سی عبادتیں اور فرائض ایسے تھے جو ان کے لیے ناجائز تھے اور لوگ عورتوں کے سایہ سے بھاگتے تھے، بہت سی عورتوں اور بچوں کو راہب بنا کر گرجاؤں میں بٹھا دیا کرتے تھے، ان

کی مائیں روتی تھیں اور بلکتی تھیں اور جب وہ انھیں ڈھونڈنے آتیں تو راہب ان کے سایہ سے بھاگتے تھے کہ کہیں ان کا سایہ نہ پڑ جائے۔

یہ تو قرآن کا معجزہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں میں عورتوں کا ذکر الگ الگ کیا ہے، اگر ساتھ کہہ دیا جاتا تو شاید ذہن پورے طور پر کام نہ کرتا اور جو اللہ تعالیٰ نے مرتبے بیان کیے ہیں اُن میں سب کا ذہن نہ جاتا؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک ایک جز میں مَردوں کے ساتھ عورتوں کا ذکر کیا ہے، ہمت افزائی کے لیے بھی اور ان کا درجہ بڑھانے کے لیے بھی اور بہت سے مسائل میں ان خیالات کو دُور کرنے کے لیے بھی کہ شاید اس میں عورتوں کا حصہ ہو، اس میں نہ ہو؛ اِس لیے اللہ تعالیٰ نے عورتوں کا ذکر الگ سے کیا ہے۔

قرآنِ مجید صرف طاعات وعبادات اور مذہبی فرائض ہی کے سلسلہ میں، نماز روزہ ہی کے سلسلے میں مَردوں اور عورتوں کی مساوات وشرکت کا ذکر نہیں کرتا؛ بلکہ اس کی تعلیمات کی رو سے باصلاحیت مَردوں علماء اور بڑی ہمت اور عزم رکھنے والے مَردوں اور نمایاں افراد کے ساتھ ساتھ اخلاقی احتساب امر بالمعروف ونہی عن المنکر یعنی اسلامی معاشرہ کی نگرانی ورہنمائی، اس کو غلط راستہ پر چلنے سے روکنے اور صحیح راستہ پر چلنے کے سلسلہ میں مَردوں کے ساتھ عورتیں بھی ذمہ داری میں شریک ہیں، اللہ تعالیٰ ایمان والے مَردوں، ایمان والی عورتوں کو ایک متحدہ اور خیر وتقویٰ پر تعاون کرنے والی جماعت کی ایک محاذ (Front) کی شکل میں دیکھنا چاہتا ہے، وہ فرماتا ہے:

﴿وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝﴾ (سورۂ توبہ، پارہ:۱۰)

''اور ایمان والے اور ایمان والیاں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں، نیک باتوں کا آپس میں حکم دیتے ہیں اور بُری باتوں سے روکتے ہیں، نماز کی

پابندی رکھتے ہیں، زکاۃ دیتے رہتے ہیں اور اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرتے رہتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ ان پر ضرور رحمت کرے گا، بے شک اللہ بڑا اختیار والا ہے اور بڑی حکمت والا ہے''۔

وہ شرفِ انسانی کی اعلیٰ ترین منزل پر پہنچنے کا ذریعہ اور کامل معیار، جنس ونسل اور رنگ وخون سے قطع نظر صرف تقویٰ کو قرار دیتا ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ۝﴾ (سورۂ حجرات، پارہ:۲۶)

''اے لوگو! ہم نے تم (سب) کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور خاندان بنا دیا ہے کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو، بے شک تم میں سے پرہیزگار تر اللہ کے نزدیک معزز تر ہے، بے شک اللہ خوب جاننے والا ہے پورا خبردار ہے''۔

یہ سب باتیں عورتوں میں ہمت، خودداری اور خوداعتمادی پیدا کرنے اور جدید نفسیات کی اصطلاح میں انھیں احساسِ کمتری (Inferiority Complex) سے دُور رکھنے کے لیے بہت کافی ہیں۔

ان ہی تعلیمات کے نتیجہ میں رسول اللہ ﷺ کے بعد سے عصر حاضر تک مشاہیر خواتین اسلام میں معلّمات اور تربیت کرنے والی، جہاد اور تیمارداری کرنے والی، ادیب ومصنّف، حافظِ قرآن وحدیث کی راوی، عابدہ وزاہدہ اور معاشرہ میں صاحبِ حیثیت ووجاہت خوانی کی ایک بڑی تعداد نظر آتی ہے، جن سے علمی استفادہ کیا گیا اور جن سے تربیت حاصل کی گئی اور جو معیاری ومثالی شخصیت کی حامل تھیں۔

وہ حقوق جو اسلام نے مسلمان عورت کو دیے ہیں اُن میں سے چند یہ ہیں: ملکیت ومیراث کا حق، خرید وفروخت کا حق، شوہر سے علیٰحدگی (خلع) کا حق (اگر ضروری ہو)،

منگنی ختم کرنے کا حق (اگر اُس سے وہ راضی نہ ہو)، عیدین، جمعہ اور جماعت کی نمازوں میں شرکت کا حق اور ان کے علاوہ حقوق کی تفصیلات فقہی کتابوں میں موجود ہیں۔

﴿اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَ الْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَ الطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَ الطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝﴾ (سورۂ نُور، پارہ:۲۶)

''گندیاں ہیں گندوں کے واسطے اور گندے ہیں واسطے گندیوں کے، اور ستھریاں ہیں ستھروں کے واسطے اور ستھرے واسطے ستھریوں کے، وہ لوگ بے تعلق ہیں اُن باتوں سے جو یہ کہتے ہیں، ان کے واسطے بخشش ہے اور روزی ہے عزت کی''۔

اسلامی سال کا سب سے پہلا مہینہ

محرم الحرام

ازقلم:
مولانا یوسف صاحب قاسمی

محرم کی وجہ تسمیہ اور اُس کی فضیلت

(محرم کے معنیٰ قابلِ احترام اور باعظمت ہونا ہے اور محرم کو اُس کی عظمت واحترام ہی کی وجہ سے مُحَرَّم کہا گیا ہے)

اسلام میں سالِ نَو کا آغاز ماہِ محرم سے ہوتا ہے۔ خالقِ کائنات نے ماہِ محرم کی حرمت اور عظمت کا اعلان اُسی وقت فرمایا جب سے اُس نے زمین وآسمان کی تخلیق فرمائی اور سال کے بارہ مہینے مقرر فرما کر ﴿مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ﴾ فرما کر الگ سے چار مہینوں کے ادب واحترام کا ذکر فرمایا، جن میں محرم بھی شامل ہے۔ اِسی کو نبی ﷺ نے اِس طرح بیان فرمایا: ''زمانہ گھوم گھما کر پھر اسی حالت پر آ گیا ہے جس حالت پر اُس وقت تھا جب اللہ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق فرمائی''۔ سال بارہ مہینوں کا ہوتا ہے، جن میں چار مہینے حرمت والے ہیں، تین (مہینے تو) پے در پے: ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور چوتھا رجب۔ (چونکہ ماہِ رجب کے بارے میں عرب کے دو قول مشہور تھے: بعض لوگ اسی مہینہ کو رجب کہتے تھے جس کو ہم رمضان کہتے ہیں؛ لیکن قبیلۂ مُضَر کے نزدیک رجب وہ مہینہ تھا) جو جمادی الآخر اور شعبان کے درمیان ہے۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر سورۂ توبہ)

مکہ کے لوگ ملّتِ ابراہیمی کا اتنا تو پاس ولحاظ کرتے تھے کہ دیگر قبائل کے ساتھ لڑائی کے دَوران ماہِ محرم آجاتا تو وہ احتراماً لڑائی سے رُک جاتے اور جھگڑا فساد نہیں کرتے اور جانتے تھے کہ اَشْہُرِ حُرُم میں -جن میں محرم بھی ہے- لڑائی جھگڑا کرنا بڑا گناہ ہے؛ لیکن

بسا اوقات اگر وہ قتل وغارت گری ان مہینوں میں بھی کرنا ہی چاہتے تو وہ ان مہینوں میں تقدیم وتاخیر اور اَدل بدل کر کے حرمت والے مہینوں کی جگہ دوسرے مہینوں کا نام دے دیتے تھے، اِسی رسمِ بد کی تردید فرما کر سال کے بارہ مہینے اصلی ترتیب پر بیان فرما کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''زمانہ گھوم گھما کر اپنی اصلیت پر آ گیا ہے''۔

ماہِ محرم کو اسی طرح شرف اور عظمت حاصل ہے جس طرح بیت اللہ کو حاصل ہے کہ براہِ راست اس کی نسبت اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف ہے۔ کلام اللہ کو شرف ہے کہ اُس کی نسبت اللہ کی ذات کی طرف ہے، رسول اللہ ﷺ کو شرف حاصل ہے کہ آپ کی نسبت اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف ہے، اِسی طرح ماہِ محرم کو بھی یہ شرف حاصل ہے کہ اس کو اللہ کا مہینہ فرمایا گیا ہے؛ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''أَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ رَمَضَانَ شَهْرُ اللهِ الْمُحَرَّمُ''

(صحيح مسلم، باب فضل صوم المحرم)

''یعنی رمضان کے روزوں کے بعد سب سے افضل روزے اللہ کا مہینہ محرم کے روزے ہیں''۔

''مظاہرِ حق'' میں ہے: اس مہینہ کو جو اللہ کا مہینہ محرم کہا گیا ہے اللہ کی طرف سے اس مہینہ کی نسبت تخصیص کے لیے نہیں ہے؛ بلکہ یہ نسبت ماہِ محرم کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لیے کی گئی ہے، غرضیکہ ماہِ محرم کی حرمت وشرافت اور عظمت کوئی عارضی، وقتی یا کسی ایک واقعہ کی وجہ سے نہیں ہے جیسا کہ عوام میں صرف واقعۂ کربلا کی وجہ سے اس کی حرمت کو مشہور کر دیا گیا ہے؛ بلکہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے رسول اللہ ﷺ کو نبی بنا کر مبعوث کرنے کے ہزاروں سال پہلے سے ماہِ محرم کی عظمت وحرمت کا اعلان فرمایا ہے؛ نیز بیت اللہ پر سب سے پہلا غلاف ماہِ محرم ہی میں ڈالا گیا، غزوۂ خیبر کی کامیابی پا کر تمام مسلمان اسی ماہِ محرم میں مدینہ منورہ واپس لوٹے، بیت اللہ پر حملہ کرنے والے سرکش ابرہہ بادشاہ کا عبرتناک انجام اسی ماہ میں ہوا، خلیفۂ ثالث کامل الحیاء والایمان امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کو اسی ماہِ محرم میں منصبِ خلافت پر فائز کیا گیا، خلافتِ راشدہ کے بعد کاتب الوحی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسی ماہِ محرم میں اَمارت نصیب ہوئی، مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں کی مراجعت اسی ماہِ محرم میں عمل میں آئی، قیصر روم کو ذلّت آمیز شکست اسی ماہِ محرم میں ہوئی، عاملینِ زکاۃ کی باقاعدہ تقرری اسی ماہِ محرم میں ہوئی، خلیفۂ ثالث حضرت ذی النورین عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح جگر گوشۂ رسول حضرت اُمِّ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اسی ماہ محرم میں ہوا، معلّمِ اعظم امام الانبیاء حبیبِ کبریا محمد مصطفیٰ ﷺ کا رشتۂ ازدواج اور نکاح اُمُّ المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ اسی ماہِ محرم میں ہوا۔

(مظاہرِ حق میں ہے: عاشوراء عشر سے بنا ہے جس کے لغوی معنیٰ دس کے ہیں اور اصطلاح میں عاشوراء کا مطلب ہوتا ہے اسلامی مہینہ میں محرم کا دسواں دن)۔

محرم کی دس تاریخ سے متعلق علماء نے ایسے دس انبیاء کا ذکر فرمایا ہے جن کی زندگی میں اس دن کی خاص اہمیت رہی ہے اور ان میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ نے اس دن ایک خاص عظمت و کرامت سے نوازا ہے، انہی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی ہیں؛ چنانچہ مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے: رسول اللہ ﷺ (مکہ سے ہجرت فرما کر) مدینہ تشریف لائے (اور آپ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ دسویں محرم یومِ عاشوراء کا مکہ میں روزہ رکھتے تھے، اسی معمول کے مطابق آپ ﷺ نے مدینہ میں بھی روزہ رکھا؛ لیکن جب) آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے یہودیوں کو (بھی) عاشورہ کے دن روزہ سے پایا، آپ ﷺ نے ان سے پوچھا (تمہارے نزدیک اس دن کی کیا اہمیت ہے کہ تم اس کا روزہ رکھتے ہو؟ یہودیوں نے کہا: یہ بڑی عظمت والا دن ہے، اس دن اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اور ان کی قوم (بنی اسرائیل) کو نجات دی اور فرعون اور فرعونیوں کو ڈبو دیا تھا؛ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے (اللہ تعالیٰ کی) شکر گزاری کے لیے اس دن کا روزہ رکھا اور اسی لیے ہم بھی اس دن روزہ رکھتے ہیں، یہ سُن کر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''فَنَحْنُ

أَحَقُّ وَأَوْلٰی بِمُوْسٰی مِنْکُمْ'' (پیغمبر موسیٰ علیہ السلام سے ہمارا تعلق تمہارے سے زیادہ ہے اور ہم اس کے زیادہ حق دار ہیں) پھر رسول اللہ ﷺ نے خود بھی روزہ رکھا اور امت کو بھی اس دن کے روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔ (صحیح مسلم، باب صوم یوم عاشوراء)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: مَیں نے نہیں دیکھا کہ آپ ﷺ کسی فضیلت والے دن روزہ کا بہت زیادہ اہتمام اور فکر کرتے ہوں سوائے اس دن (یومِ عاشوراء) کے اور سوائے اس ماہِ مبارک (رمضان) کے۔ (صحیح مسلم، باب صوم یوم عاشوراء)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یومِ عاشوراء کا روزہ رکھا اور اس روزہ کے رکھنے کا حکم فرمایا۔ (صحیح مسلم، باب صومِ یوم عاشوراء)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے یومِ عاشوراء کے روزے کے بارے میں پوچھا گیا (کہ اس کی کیا فضیلت ہے؟) تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''یُکَفِّرُ السَّیِّئَۃَ الْمَاضِیَۃَ'' گزشتہ سال کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔ (ریاض الصالحین، باب فضل یوم عرفہ وعاشوراء) مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ جس وقت رسول اللہ ﷺ نے عاشوراء کا روزہ رکھا اور اس روزہ کے رکھنے کا حکم فرمایا تو صحابہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! بے شک یہ ایسا دن ہے جس کی یہود و نصاریٰ تعظیم کرتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب آئندہ سال آئے گا تو ان شاء اللہ ہم نویں (محرم) کو بھی روزہ رکھیں گے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: اگلے سال کا (ماہِ محرم) آنے سے قبل ہی رسول اللہ ﷺ دنیا سے پردہ فرما گئے۔

(صحیح مسلم، باب صوم یوم عاشوراء)

''معارف الحدیث'' میں ہے کہ: آئندہ سال نویں محرم کو روزہ رکھنے کی بات رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات سے اتنے دن پہلے کہی کہ اس کے بعد محرم کا مہینہ ہی نہیں آیا اور اس نئے فیصلے پر عمل حیاتِ طیبہ میں نہیں ہوسکا؛ البتہ امت کو رہنمائی مل گئی کہ اس طرح اشتراک اور تشابہ (یعنی یہودیوں کے ساتھ مشابہت اور شرکت) سے بچنا چاہیے (خواہ

عبادات ہی میں مشابہت ہورہی ہو)؛ چنانچہ اسی مقصد کے لیے رسول اللہ ﷺ نے یہ فیصلہ طے فرمایا تھا کہ ان شاءاللہ آئندہ سال سے ہم نویں محرم کا بھی روزہ رکھیں گے۔ آپ ﷺ کے اس ارشاد کے دو مطلب ہیں: ایک یہ کہ آئندہ سال ہم بجائے دسویں محرم کے یہ روزہ نویں محرم ہی کو رکھیں گے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ آئندہ سال ہم دسویں محرم کے ساتھ نویں محرم کا روزہ بھی رکھا کریں گے اور اس طرح سے ہم میں اور یہود و نصاریٰ کے طرزِ عمل میں فرق ہوجائے گا۔ اکثر علماء نے اسی دوسرے مطلب کو ترجیح دے کر یہ کہا ہے کہ یومِ عاشوراء کے ساتھ اس سے پہلے نویں کا روزہ بھی رکھا جائے اور اگر نویں کو نہ رکھ سکے تو دسویں کے ساتھ گیارہویں محرم کو بھی روزہ رکھ لینا چاہیے۔

اللہ پاک ہمیں بدعات و خرافات سے بچائے اور تعلیماتِ رسول ﷺ کی روشنی میں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

مختصر فضائل ومسائلِ حج

از: قلم
مولانا محمد اُسید قریشی

حج کے لغوی معنیٰ عظیم چیز کا ارادہ کرنے کے ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں خاص طریقے سے خاص وقت میں خاص شرائط کے ساتھ بیت اللہ کا ارادہ کرنے کو حج کہتے ہیں۔ حج اسلام کے ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے جس کی فرضیت ۹ ہجری میں ہوئی جو متعدد آیاتِ قرآن اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے۔

حج کے فضائل

حج کے فضائل بہت سی احادیث میں وارد ہوئے ہیں، مختصراً چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں۔

رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے حج کرے گا اور فحش کام، فحش کلام اور فسق و فجور سے بچتا رہے گا تو وہ گناہوں سے ایسے پاک ہو کر لوٹتا ہے جیسے آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔ (بخاری و مسلم)

اسی طرح ایک اور حدیث میں رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا کہ: مقبول حج کا بدلہ جنت کے سوا کچھ بھی نہیں۔ (بخاری و مسلم)

مقبول حج کا مطلب یہ ہے کہ حج کو تمام آداب و شرائط کے ساتھ ادا کیا جائے۔

نیز رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حج اور عمرہ کرنے والے اللہ کے مہمان ہیں، اگر وہ دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا۔

حج کس پر فرض ہے؟

حج ہر شخص پر فرض نہیں، حج کے فرض ہونے کے کچھ شرائط ہیں، اگر وہ تمام شرائط پائی جائیں خواہ مرد ہو یا عورت تو یہی حج ذمہ میں فرض ہوگا؛ ورنہ تو نہیں۔

پہلی شرط: مسلمان ہونا ہے۔غیر مسلم پر حج فرض نہیں اور مسلمان ہونا تمام عبادات میں لازم ہے۔

دوسری شرط: بالغ ہونا۔نابالغ پر حج فرض نہیں، اگر کسی نابالغ نے حج کر بھی لیا تو وہ نفل ہوگا بعد میں شرائط پائے جانے پر دوبارہ حج کرنا پڑے گا۔

تیسری شرط: عاقل ہونا ہے۔پاگل، مجنون اور دیوانہ پر حج فرض نہیں، اگر انہوں نے اَدا بھی کرلیا تو بطور فرض ادا نہیں ہوگا۔

چوتھی شرط: آزاد ہونا ہے۔غلام، اور لونڈی پر حج فرض نہیں۔

پانچویں شرط: بدن کا صحیح سالم ہونا ہے؛ لہٰذا جو شخص نابینا، اَپاہج ہو یا بہت ضعیف ہو تو اُس پر حج فرض نہیں ہوگا؛ لیکن اگر لوگ مشقت جھیل کر حج کرلیں تو فریضہ ادا ہوجائے گا۔

مسئلہ: یاد رکھیے کہ جس شخص پر صحت وتندرستی کے زمانہ میں حج فرض ہوا؛ لیکن حج کرنے سے پہلے وہ اَپاہج ہوگیا یا بیمار ہوگیا تو بالاتفاق اس شخص پر حج کی ادائیگی واجب ہے، اگر خود جاسکتا ہو تو خود جائے یا پھر خرچہ دے کر حجّ بدل کروائے، اگر یہ بھی نہ ہو تو وارثوں کو وصیت کردے کہ بعد وفات اس کی طرف سے حجّ بدل کروادیں۔ (زبدۃ المناسک)

چھٹی شرط: استطاعت ہونا۔یعنی مالدار ہونا، اس کا مطلب یہ ہے کہ حاجی کے پاس اتنا مال ہو کہ بیت اللہ تک جانے، وہاں سے آنے اور وہاں کے قیام کے دَوران پیش آنے والے مصاف کو پورا کرسکے اور جن لوگوں کا نفقہ اُس پر واجب ہے حج سے آنے تک اُن تمام کے نفقہ کا انتظام کرسکے تو ایسے شخص پر حج فرض ہوگا؛ ورنہ تو حج فرض نہیں ہوگا۔

حج کے مسائل کی اہمیت اور خلاف ورزی کا نقصان

حج کے فضائل وبرکات حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ حج کے تمام فرائض وواجبات اور سنتیں اچھی طرح ادا کریں اور جو چیزیں حج کو خراب کرنے والی ہیں اُن سے بچیں۔اکثر حاجی حضرات ان چیزوں کا لحاظ نہیں کرتے جس کی وجہ سے فریضہ تو ادا ہوجاتا

ہے؛ مگر فضائل وبرکات سے محرومی ہوتی ہے۔ احرام باندھنے کے بعد بھی بہت سی پابندیاں حاجی پر عائد ہوتی ہیں جن سے بچنا نہایت ہی ضروری ہے،قرآنِ کریم کی آیت ﴿اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۔ الیٰ اٰخر الاٰیة﴾ میں احرام باندھنے کے بعد نہ کرنے کی چیزوں کو بیان کیا گیا ہے۔

فحش گفتگو: احرام باندھنے کے بعد جنسی افعال اور ان سے متعلق گفتگو میاں بیوی کے لیے بھی جائز نہیں ہے۔

نافرمانی: اس سے مراد ہر قسم کا گناہ ہے، گناہ کا ارتکاب تو ہر حال میں گناہ ہے؛ لیکن حالتِ احرام میں گناہ اور بھی شدید ہوجاتا ہے۔

لڑائی جھگڑا: لڑائی جھگڑا عام حالت میں بھی مذموم اور ناجائز ہے؛ لیکن حالتِ احرام میں اور بھی سخت گناہ ہے۔

احرام باندھنے کے بعد اِن تمام چیزوں سے بچنے کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ ذکراللہ، استغفار اور درودشریف پڑھنے میں اپنے آپ کو مشغول رکھیں؛ تاکہ ان تمام چیزوں کی طرف ذہن منتقل نہ ہو۔

حج کی قسمیں

عمرہ کو حج کے ساتھ جمع کرنے نہ کرنے کے اعتبار سے حج کی تین قسمیں ہیں:

(۱) اگر احرام باندھتے وقت صرف حج کی نیت کرے تو اُسے ''حجِّ اِفراد'' کہتے ہیں۔

(۲) اگر احرام باندھتے وقت حج اور عمرہ دونوں کی نیت کرے تو اُسے ''حجِّ قِران'' کہتے ہیں۔

(۳) اگر احرام باندھتے وقت صرف عمرہ کی نیت کرے اور مکہ پہنچ کر عمرہ کرکے بال کٹوانے یا منڈوانے کے بعد آٹھ ذی الحجہ کو پھر سے مسجد حرام سے حج کا احرام باندھے تو اِس صورت کا نام ''حجِّ تمتّع'' ہے۔

تینوں صورتوں میں سے پہلی دو صورتوں میں احرام باندھنے کے بعد سے افعالِ حج پورے ہونے تک احرام باقی رہے گا۔

فرائضِ حج

اگر حاجی ان فرائض میں سے ایک بھی چھوڑ دے تو حج صحیح نہ ہوگا اور دم یعنی قربانی کے ذریعہ سے بھی اس کی تلافی نہ ہوگی۔

پہلا فرض: احرام باندھنا ہے، یعنی دل سے حج کی نیت کے ساتھ کم ازکم ایک بار تلبیہ پڑھنا ہے، اتنا کہنے سے احرام شروع ہوجاتا ہے۔

دوسرا فرض: میدانِ عرفات میں ٹھہرنا ہے یعنی ۹/ذی الحجہ کو زوالِ آفتاب کے وقت سے ۱۰/ذی الحجہ کی صبح صادق تک میدانِ عرفات میں کسی بھی وقت ٹھہرنا اگرچہ وہ ذرا سی دیر ہو۔

تیسرا فرض: طوافِ زیارت کرنا ہے۔ یہ طواف ۱۰/ذی الحجہ سے ۱۲/ذی الحجہ تک کیا جاسکتا ہے؛ لیکن ۱۰/ذی الحجہ کو کرنا افضل ہے۔

چوتھا فرض: ان تینوں کو ترتیب سے ادا کرنا ہے۔

اِسی طرح اگر حاجی حج کے واجبات میں سے کسی واجب کو چھوڑ دے تو خواہ وہ چھوڑنا بھول چوک سے ہو یا جان بوجھ کر تو ایسی صورت میں حج تو اَدا ہوجائے گا؛ لیکن اکثر صورتوں میں دَم یعنی جانور ذبح کرنا واجب ہوگا اور قصداً چھوڑنے میں گناہگار بھی ہوگا، صرف دَم سے کام نہیں چلے گا، توبہ بھی کرنی ہوگی۔ (غنیۃ وزبدہ)

اور اگر حاجی سنتوں کو ترک کردے تو یہ مکروہ ہے؛ کیونکہ سنت کو ترک کرنا ثواب میں کمی کا باعث ہے، پس کوئی دَم یا صدقہ لازم نہیں آئے گا۔ (زبدہ وغنیۃ)

مستحبات کو ترک کا تو کچھ مسئلہ نہیں ہے، کرنے پر ثواب ملے گا نہ کرنے پر کچھ نہیں۔ (زبدہ)

احرام کہاں سے باندھنا چاہیے؟

رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ کے گرد کچھ مقامات متعین فرمادیے ہیں جہاں پہنچ کر مکہ مکرمہ جانے والوں پر احرام باندھنا واجب ہے خواہ حج کا احرام باندھے یا عمرہ کا، ان تمام

مقامات کو ''میقات'' کہتے ہیں اور میقات پانچ ہیں:

(۱) ذُوالحُلَیفہ: یہ مدینہ طیبہ کی جانب سے مکہ مکرمہ آنے والوں کے لیے ہے جو تقریباً مکہ مکرمہ کی جانب ۶ رمیل پر واقع ہے۔

(۲) جُحفہ: یہ مقام ملکِ شام کی طرف سے مکہ مکرمہ آنے والوں کے لیے ہے۔

(۳) قرن المنازل: یہ نجد کی طرف سے آنے والوں کے لیے ہے۔

(۴) یَلَملَم: یمن کی طرف سے آنے والوں کا میقات ہے، یہ ایک بڑی پہاڑی ہے جو تقریباً ساحل سمندر سے پندرہ بیس میل کے فاصلہ پر ہے اور ہندوستان والوں کا میقات بھی یہی ہے۔

(۵) ذاتِ عرق: یہ عراق کی طرف سے آنے والوں کے لیے ہے۔

یہ تمام مواقیت ان لوگوں کے لیے ہیں جو اِن مقامات کے باہر رہتے ہیں اور باہر رہنے والوں کو ''آفاقی'' کہا جاتا ہے اور ان لوگوں کو ان مقامات سے احرام باندھنا واجب ہے۔ ہندوستان والوں کے لیے جو بذریعہ ہوائی جہاز جدّہ روانہ ہوتے ہیں اُن کو جہاز کے پرواز کرنے کے گھنٹہ، ڈیڑھ گھنٹہ میں احرام باندھ لینا چاہیے؛ کیونکہ جہاز میقات کے اندر سے ہوکر گزرتا ہے؛ اِس لیے بہتر یہی ہے کہ پہلے ہی احرام باندھ لیں اور جو کام احرام باندھنے سے پہلے کے ہیں اُن کو بغیر نیت اور تلبیہ کے کرلیں؛ تاکہ اگر جہاز کی پرواز میں تاخیر ہو بھی جائے تو دشواری پیش نہ آئے۔

احرام باندھنے کا طریقہ

حج اور عمرہ کے افعال میں پہلا عمل احرام ہے، حج یا عمرہ کی نیت کے ساتھ تلبیہ پڑھنے کو احرام کہتے ہیں۔

جب احرام کا ارادہ ہو تو سب سے پہلے غسل کرلیں یا پھر صرف وضو کرلیں، سنت تو یہ ہے کہ وضو یا غسل سے پہلے تمام ضروری مواقع کی صفائی کرلیں، پھر اس کے بعد دونئ

یا دُھلی ہوئی چادریں لے کر ایک کا تہبند بنایا جائے اور دوسری کو اوڑھا جائے اور مستحب یہ ہے کہ چادر اوڑھنے کے بعد دو رکعت نفل پڑھے، پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ کافرون اور دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھے۔ نفل پڑھنے کے بعد حج کی تینوں قسموں میں سے جس قسم کا حج کرنا ہو اُس کی نیت کریں اور تلبیہ پڑھیں:

لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ، لَبَّیْكَ لَاشَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَاشَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ.

تلبیہ پڑھتے ہی احرام شروع ہوجائے گا، اس کے بعد حالتِ احرام میں نہ کرنے کی جو پابندیاں ہیں اُن سے احتیاط رکھے اور اپنے ہر عمل میں تلبیہ پڑھتے رہے، اُٹھتے بیٹھے، سفر میں، صبح وشام ہر وقت پڑھنا چاہیے، مرد حضرات بلند آواز سے اور خواتین آہستہ پڑھیں۔

حالتِ احرام کی پابندیاں

احرام باندھنے کے بعد مندرجہ ذیل چیزیں ناجائز ہیں:

(۱) بدن کی ہیئت پر سِلا ہوا کپڑا پہننا مَردوں کے لیے جیسے: کُرتا، شلوار، پائجامہ، بنیان وغیرہ۔

(۲) مَردوں کے لیے سر اور چہرہ ڈھانکنا۔

(۳) کپڑوں یا بدن پر کسی قسم کی خوشبو لگانا۔

(۴) بدن کی کسی جگہ سے بال وغیرہ کاٹنا یا منڈانا، صاف کرنا۔

(۵) ناخن تراشنا۔

(۶) حالتِ احرام میں بیوی کے ساتھ بوس وکنار کرنا۔

(۷) لڑائی جھگڑا کرنا۔

(۸) شکار کرنا یا شکاری کی مدد کرنا یا شکار کی طرف اشارہ کرنا۔

(۹) اپنے جسم یا اپنے کپڑے کی جُوں مارنا۔

(۱۰) ٹڈی مارنا۔

(۱۱) عورت کا اپنا چہرہ اِس طرح چھپانا کہ کپڑا چہرہ کو لگا رہے۔

مذکورہ بالا تمام چیزیں حالتِ احرام میں ناجائز ہیں، ان سے بچنا لازم ہے، ان کے کرنے پر بعض صورتوں میں دَم (قربانی کرنا) واجب ہوسکتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ گناہ بھی ہاتھ آئے گا۔

خواتین کا احرام

عورتوں کا احرام مَردوں کی ہی طرح ہے، فرق یہ ہے کہ خواتین سِلے ہوئے کپڑے پہنے رہیں گی، سَر بھی چھپائیں گی، صرف چہرہ کھلا رکھیں گی؛ مگر اجنبی مَردوں کے سامنے چہرہ پر نقاب اِس طرح ڈالیں کہ نقاب چہرہ کو نہ لگے۔

خواتین کے نہ کرنے کے مسائل

(۱) تلبیہ بلند آواز سے نہیں پڑھیں گی۔

(۲) طواف میں اضطباع (بغل کے نیچے سے چادر ڈالنا) اور رَمل (شانہ ہِلا کر چلنا) نہ کریں۔

(۳) دَورانِ سعی دو سبز ستونوں کے درمیان نہ دوڑیں۔

(۴) جب حجرِ اسود پر مَردوں کا ہجوم ہو تو بوسہ نہ لیں۔

(۵) جب مقامِ ابراہیمؑ پر مَردوں کا ہجوم ہو تو دوگانہ طواف نہ پڑھیں۔

(۶) احرام سے حلال ہونے کے لیے سر کے بال منڈانا حرام ہے؛ بلکہ ایک پورے کے برابر تمام سر کے بال کٹانے چاہئیں۔

(۷) حیض یا نفاس کی حالت میں طواف کرنا جائز نہیں، اِسی وجہ سے ۱۲/ذی الحجہ تک نہ کرسکیں تو اس پر کوئی دم تاخیر کی وجہ سے لازم نہیں۔

(۸) عورت اگر طوافِ وداع کے وقت حالتِ حیض میں ہو تو طواف چھوڑ دے اور اس پر کوئی دم وغیرہ لازم نہ ہوگا۔

(۹) عورتوں پر پردہ فرض ہے، اس کے باوجود بہت سی خواتین حرم شریف پہنچ کر بھی پردہ نہیں کرتیں۔ یاد رکھیں! کہ اِن تمام چیزوں کا لحاظ رکھنا مقبول حج کے لیے ضروری ہے۔

طواف کرنے کا طریقہ

طواف کے معنیٰ کسی چیز کے گرد گھومنے کے ہیں، طواف کی نیت کر کے بیت اللہ کے گرد سات چکر لگانے کو طواف کہتے ہیں۔

طواف کی نیت کر کے حجر اسود کو بوسہ دیں اگر ممکن ہو تو؛ ورنہ دُور سے ہی ہاتھ سے اشارہ کر کے ہاتھ کو چُوم لیں اور یہاں سے ہی طواف شروع ہوگا اور حجر اسود پر ختم ہوگا، جب حجرِ اسود پر پہونچیں تو بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر بوسہ دیں، اسی طرح سات چکر مکمل کریں۔

حج کے پانچ دن

ذی الحجہ کی ۷ رتاریخ سے حج کے افعال وارکان کی تیاری شروع ہوجاتی ہے، ۷ رذی الحجہ کی ظہر کے بعد امام حج کا خطبہ دیتا ہے، جس میں حج کے احکام اور پانچ دن کا پروگرام بتایا جاتا ہے۔

۸ رذی الحجہ کو طلوعِ آفتاب کے بعد حالتِ احرام میں سب حاجیوں کو منیٰ جانا ہے، منیٰ: مکہ مکرمہ سے ۳ رمیل کے فاصلہ پر دوطرفہ پہاڑوں کے درمیان ایک بہت بڑا میدان ہے، آٹھویں تاریخ کی ظہر سے نویں تاریخ کی صبح تک منیٰ میں رہنا سنت ہے، اگر اس رات مکہ مکرمہ میں رہے یا سیدھا عرفات پہنچ گیا تو مکروہ ہے۔

دوسرا دن نویں ذی الحجہ کا ہے، جس میں سب سے بڑا رُکن اَدا کرنا ہوتا ہے جس کے بغیر حج ہی نہیں ہوتا۔ نویں ذی الحجہ کو جب کچھ دھوپ پھیل جائے تو منیٰ سے عرفات کو روانہ ہوجائیں، عرفات: مکہ مکرمہ سے ۹ رمیل کے فاصلہ پر ایک عظیم الشان میدان ہے، وہاں پر جبلِ رحمت کے نزدیک ٹھہرنا افضل ہے۔

وقوف کے معنیٰ ٹھہرنے کے ہیں، نویں ذی الحجہ کو زوالِ آفتاب کے بعد سے صبح صادق تک کے درمیانی حصہ میں کسی قدر ٹھہرنا حج کا رکنِ اعظم ہے۔ اور نویں کے غروب تک ٹھہرنا واجب ہے۔ مستحب یہ ہے کہ زوالِ آفتاب سے پہلے ہی غسل کریں یا پھر وضو اور مسجد نمرہ جائیں، وہاں حج کا دوسرا خطبہ ہوگا جو کہ سنت ہے، پھر ظہر اور عصر کی دونوں نمازیں ظہر ہی کے وقت میں ہوں گی، شرط یہ ہے کہ احرام کی حالت میں ہوں یا امام المسلمین یا نائب کی اقتدا میں نماز پڑھ رہا ہو۔

عرفات میں کھڑے رہنے تک استغفار، درود شریف اور دیگر مسنون دعاؤں میں مصروف رہے اور اپنا پورا وقت ان میں صرف کرے؛ کیونکہ یہ دعاؤں کے قبول ہونے کا وقت ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص غروبِ آفتاب سے پہلے عرفات سے باہر نکل گیا تو اُس پر لازم ہے کہ وہ واپس آئے اور غروب کے بعد باہر نکلے؛ ورنہ دَم واجب ہوگا، عرفات سے فارغ ہوکر مزدلفہ کی طرف روانہ ہونا ہے، جو ۳؍میل کے فاصلہ پر ہے، وہاں پہنچ کر مغرب اور عشاء کی نماز کو عشاء کے وقت میں جمع کر کے پڑھنا ہے اور یہ پڑھنا واجب ہے۔

تیسرے دن یعنی دسویں ذی الحجہ کو حج کے بہت سے واجبات اور فرائض ادا کرنے ہوتے ہیں، اِسی وجہ سے حجاج سے نمازِ عید معاف کر دی گئی ہے۔

پہلا واجب: وقوفِ مزدلفہ ہے، اِس کا وقت طلوعِ فجر سے طلوعِ آفتاب تک ہے، اگر کوئی طلوعِ فجر کے بعد تھوڑی دیر ٹھہر کر منیٰ چلا گیا تو اُس کا واجب اَدا ہو جائے گا، ادائیگی کے لیے بس اتنا کافی ہے کہ فجر کی نماز مزدلفہ میں پڑھے؛ مگر سنت یہ ہے کہ طلوعِ آفتاب سے کچھ دیر پہلے تک ٹھہرے۔ (غنیّۃ)

مسئلہ: مزدلفہ میں جہاں چاہے وقوف کر سکتے ہیں سوائے وادیٔ مُحَسِّر کے، یہ جگہ مزدلفہ سے باہر ہے۔ افضل یہ ہے کہ مشعرِ حرام یعنی جبلِ قزح کے پاس وقوف کرے۔

مسئلہ: وقوفِ مزدلفہ واجب ہے؛ لیکن اگر عورتیں، بوڑھے، ضعیف و بیمار وقوف ترک

کردیں اور منیٰ چلے جائیں تو جائز ہے اور کوئی گناہ بھی نہیں آئے گا، یہ اعذار نہ ہوں تو چھوڑنے پر دَم واجب ہوگا۔

دوسرا واجب: جمرۂ عقبہ کی رمی کرنا ہے۔ رمی کے معنیٰ کنکریاں مارنے کے ہیں، یہ رمی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہے، جب شیطان اُن کو ذبح کرنے جاتے وقت تین جگہوں پر بہکانے آیا تھا تو ابراہیم علیہ السلام نے اُس کو کنکریاں مار کر بھگایا تھا، رمی کا مسنون وقت طلوعِ آفتاب سے زوالِ آفتاب تک ہے۔

مسئلہ: جمرہ عقبہ سے کم از کم پانچ ہاتھ کے فاصلہ پر ٹھہرے اور داہنے ہاتھ سے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ایک کنکری کو جمرۂ عقبہ پر پھینکے اور ہر مرتبہ بسم اللہ اللہ اکبر کہے۔

تیسرا واجب: یہ ہے کہ اگر کسی نے حجِّ قِران یا تمتع کی نیت کی ہے تو اُس پر بطور شکرانہ قربانی واجب ہے اور قربانی کرنے سے پہلے حلق یا قصر نہ کرے؛ ورنہ دَم لازم ہوگا اور اگر صرف حج کی نیت کی ہے تو قربانی کرنا مستحب ہے۔

مسئلہ: اگر حجِّ قِران یا حجِّ تمتّع کرنے والے کے پاس قربانی کرنے کی گنجائش نہ ہو تو قربانی کے بدلے دس روزے رکھنا ہوگا، یومِ عرفہ سے پہلے ۳، اور باقی ۷ کے بارے میں اختیار ہے؛ لیکن اگر یہ بھی نہ کرے تو دو دَم لازم ہوجائیں گے۔

چوتھا واجب: دسویں تاریخ کو حلق یا قصر کرنا ہے، مَردوں کے لیے کم از کم چوتھائی سر کے بال منڈانا یا کتروانا یا اُنگلی کے پورے کے برابر واجب ہے اور تمام سَر کے بال کتروانا سنت ہے۔ (زبدہ)

اور یہ حلق بارہویں تاریخ تک کرسکتے ہیں، اِس کے بغیر احرام ختم نہیں ہوگا۔ اب حج کا ایک آخری فرض رہ گیا اور وہ ہے ''طوافِ زیارت''، اِس طواف کی سنت یہ ہے کہ اپنی قربانی اور حلق کے بعد کریں، اگر ان سے پہلے کریں گے تو بھی فرض اَدا ہوجائے گا۔ طواف کے بعد جس نے صفا و مروہ کی سعی نہیں کی اُن پر سعی واجب ہے۔

سعی کا طریقہ: یہ ہے کہ صفا پہاڑ پر اتنا چڑھے کہ بیت اللہ نظر آجائے اور سعی کی نیت

کرے کہ یااللہ! مَیں آپ کی رضا کے واسطے صفا ومروہ کے درمیان ۷ رچکر کا ارادہ کرتا ہوں، پھر ذکر کرتے ہوئے صفا سے مَروہ کی طرف چلے، جب وہ قریب آئے جہاں سبز رنگ کے ستون ہیں اور ۶ رہاتھ کے فاصلہ پر رہ جائے تو صرف مَرد دوڑنا شروع کریں، عورتیں نہ دوڑیں؛ بلکہ معمولی رفتار کے ساتھ چلتے رہیں۔

حج کے چوتھے دن میں تینوں جمرات کی رمی کرنا واجب ہے، طوافِ زیارت دس کو نہ کیا ہو تو گیارہویں تاریخ کو کرلیں اور زوال کے بعد جمرات کی رمی کے لیے روانہ ہوجائیں۔ اور ہر جمرہ کی رمی کے بعد بازو ہٹ کر استغفار اور دعا کریں۔

حج کے پانچویں دن یعنی بارہویں ذی الحجہ کو بھی تینوں جمرات کی رمی کرنا ہے جس طرح ۱۱ رذی الحجہ کو کی تھی۔ رمی کرنے کے بعد غروبِ آفتاب سے پہلے مکہ معظّمہ جاسکتے ہیں، اگر آفتاب غروب ہوگیا ہو تو اب جانا مکروہ ہے، تیرہویں ذی الحجہ کو رمی کرکے ہی جائیں۔

منیٰ سے واپسی پر اب صرف ایک کام باقی رہ گیا اور وہ ہے طوافِ وداع اور یہ حج کا آخری واجب ہے، طوافِ وداع سے پہلے جتنا بھی وقت ملے اُس کو غنیمت جان کر نفلی طواف، ذکر واذکار اور استغفار وغیرہ میں مشغول رہیں، گناہوں سے بچنے کی کوشش کریں اور اپنے وقت کو خیر کے کاموں میں مصروف رکھیں۔

مزید تفصیلات کے لیے معتبر کتابوں یا معتبر علماء سے رابطہ کریں۔ اللہ تعالیٰ حاجیوں کے حج کو قبول فرمائیں اور ان کے نفوس کو اپنی معرفت عطا فرمائیں۔ آمین

❑❖❑

احوال وکوائفِ جامعہ

از قلم:

مولانا فاروق صاحب مفتاحی

رمضان المبارک کے پہلے عشرہ میں معمول کے مطابق قرآنِ کریم کی تکمیل ہوئی؛ نیز اخیر عشرہ میں اعلان کے مطابق حضرت جانشینِ قطبِ دکن دامت برکاتہم سے اکتسابِ فیض اور روحانی کمالات کے حصول کے لیے سیکڑوں کیلومیٹر کا سفر طے کرتے ہوئے تقریباً ڈھائی سو طالبین وسالکین کا قافلہ جامعہ کی مسجد ''مسجد قطبِ دکن'' میں رونق افروز ہوا، اعتکاف کی غرض سے شرکت کرنے والے منسلکین اختتامِ اعتکاف پر اپنی زبان سے اِس بات کا اعتراف کرنے لگے کہ ہمارے لیے یہ دس دن روحانی چارجنگ اور سال بھر اپنی ذات کو لغویات اور فضولیات سے باز رکھنے میں بے حد مددگار ثابت ہوتے ہیں، حضرت دامت برکاتہم کے یہاں ہماری تینوں چیزیں (تَن، مَن، دَھن) یعنی جسم، جان اور مال کو قربان کرنے کا بہترین وقت میسر آتا ہے، ایک تو رمضان المبارک کی برکتیں، دوسرے اخیر عشرہ کی رونقیں، پھر اس پر اللہ کے محبوب بندے کی صحبت کا ساتھ یہ ہماری زندگی کو تیزی کے ساتھ مقصدِ زندگی کی جانب پھیرنے میں بہت زیادہ اثرانداز ہونا، یہ لطف اسی شخص کا حصہ ہے جس نے اہل اللہ کے قلوب کی گرمی سے اپنے دل کو روشن کرنے کی جستجو کی ہوگی، اس کی لذت انہیں کا حق ہے جس نے دنیا سے نظر اُٹھا کر خالقِ دنیا پر نظر رکھنے کا ہنر سیکھ لیا ہو، اللہ کا ذکر کرنے والوں کے متعلق فرمانِ نبوی ہے: ''سَبَقَ الْمُفَرِّدُوْنَ'' (مفردون تو سب آگے بڑھ گئے) ''مَنِ الْمُفَرِّدُوْنَ يَارَسُـوْلَ اللهِ'' (صحابہؓ نے پوچھا: مفردون کون ہیں یارسول اللہ؟) تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اَلذَّاكِرُوْنَ اللهَ كَثِيْـرًا وَّالـذَّاكِرَاتُ'' (یعنی کثرت سے ذکر کرنے والے مَرد وعورتیں)، ان کے سینوں میں جو لطف ہے وہی اس کو جانتے ہیں۔

جامعہ میں جدید داخلوں کا آغاز

عیدالفطر کے ۹؍دن بعد ۱۱؍شوال المکرم سے جامعہ میں جدید داخلوں کا آغاز ہوا،

جامعہ کے معمول کے مطابق طلبہ کی کثیر تعداد نے دینیات، حفظ اور شعبۂ عالمیت میں داخلہ دلوایا، حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم کی ہدایت پر ۱۶ر شوال المکرم سے باضابطہ تعلیم کا آغاز ہوگیا، جامعہ عربیہ کاشف العلوم علاقہ بھر میں معیاری تعلیم اور عمدہ تربیت کی علامت کے طور پر جانا جاتا ہے۔

حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم نے اساتذۂ جامعہ کو خاص طور پر یہ ہدایت دی کہ کسی طالبِ علم کا حفظ اس وقت تک تکمیل نہ کیا جائے جب تک قرآنِ کریم کا مکمل دَور نہ ہوجائے اور جامعہ کی طرف سے اس وقت تک حفظ قرآنِ مجید کی سند نہیں دی جائے گی جب تک طالبِ علم ایک نشست میں مکمل قرآن مجید سنانے کا اہل نہ ہوجائے، اِسی طرح بالکل مبتدی طلبہ کو صرف دوسال کی مدت میں حفظ قرآنِ مجید کے لائق بنانا اساتذہ پر لازم وضروری قرار دیا گیا، شعبۂ عالمیت میں ہر ماہ مقدارِ خواندگی درج کروانا اور طلبہ کے اندر مطلوبہ صلاحیت کو اُجاگر کرنا بے حد ضروری ہے۔

ماہنامہ ''النور'' کا اجراء

جامعہ عربیہ کاشف العلوم اودگیر نے طلبہ کی خوابیدہ صلاحیتوں کو مزید اُجاگر کرنے کے لیے طلبۂ عزیز کے لیے بانیٔ جامعہ کی جانب منسوب ایک جِداری پرچے کا اجراء کیا ہے، جس میں شعبۂ عالمیت کے طلبہ کی کارکردگی خاص طور پر ملحوظ رہے گی۔ عالم کورس کے طلبہ کے لیے ۱۵ر روز میں ایک مقالہ اور انجمن کے ہفتہ واری پروگرام میں پابندی کے ساتھ تقریر کو گویا نصابِ تعلیم میں شامل کردیا گیا ہے۔

طلبہ کی غیر حاضری پر قدغن لگانے کے لیے ہر گھنٹے میں حاضری اور امتحانِ سالانہ میں شرکت کے لیے کم از کم پچھتّر فیصد حاضری کو لازم اور ضروری بنادیا گیا ہے۔ اُمید ہے کہ یہ تبدیلیاں ادارہ کی ترقی کا ضامن ہوں گی، اللہ سے دعا ہے کہ اللہ ہر طرح کے شر سے اِس ادارہ کی حفاظت فرمائے۔ آمین